فہرست مضامین

پیش لفظ	۷
تصوف عہد جدید میں اس کی مختلف شکلیں اور صحیح تصوف کے خطوط ونقوش	۱۱
عصر حاضر میں تصوف کی حقیقت کا اوجھل ہونا	۱۳
ہر دور میں اہل اللہ کا روشن کردار	۱۳
عالمی سرمایہ دار کی طرف سے اہل تصوف کو استعمال کرنے کی کاوشیں	۱۴
عالمی سرمایہ دار کی ان کاوشوں کے پس پردہ اصل ہدف	۱۵
بعض اہل تصوف کی طرف سے توجہ اور ہپناٹزم کی مشقوں سے کام لینا	۱۶
تصوف کے نام پر شریعت سے بے نیازی کی روش	۱۶
بزرگان دین کی اولاد کا تصوف	۱۷
ماڈرن صوفیوں کے کام پر ایک نظر	۱۷
بزرگ نما عاملوں کی صحبت کے اثرات	۱۸
بزرگ نما عاملوں کی گفتگو میں بھی اثرات کا ہونا	۲۰
توجہ کے حامل بزرگوں کی بعض ادائیں	۲۳
عامل نما بزرگوں اور اہل اللہ کے درمیاں امتیازی خطوط	۲۵
اسلام سے عناد رکھنے والوں کا تصوف	۲۶
بعض صحیح الفکر صوفیوں کی حکمت عملی کی غلطیاں اور ان کے اثرات	۲۷
تصوف کے نام پر میلے ٹھیلے اور راگ ورنگ کی محفلوں کا ہونا	۲۹
جعلی تصوف کے پس پردہ اصل محرک کی نشاندہی	۲۹
خام صوفیوں کے حب مال کے جذبات کا بے قابو ہونا	۳۰
حضرت مجددؒ کی طرف سے اپنے خلیفہ کو مریدوں کے مال پر نظر نہ کرنے کی تلقین	۳۱
مکتوب کے نکات سے موجودہ دور کے اہل تصوف کا موازنہ	۳۲
بزرگ نما عاملوں کے کام کا افادی پہلو	۳۳
اصل اہل تصوف کا کردار	۳۴
مسلم معاشرہ میں بڑھتی ہوئی نفسانفسی کی صورتحال	۳۵
انسانیت پر مادیت پرستی کی لعنت کو مسلط کرنے کی اہل یورپ کی کاوشوں کا پس منظر	۳۶
توجہ وتسخیری وظائف کا انبیاء کرام اور صحابہ کرام میں موجود نہ ہونا	۳۸
اہل علم اور صاحبزدگان کی اصلاح کا زیادہ مشکل ہونا	۳۹
خلافت کی طلب کا اپنے ساتھ آزمائشوں کا لانا	۴۰
آخر تصوف واحسان کی ضرورت کیوں؟ سوال کا جواب	۴۱
نجات کے لئے تزکیہ کا شرط ہونا	۴۱

اہل اللہ سے اعراض اور اس کے اثرات ونتائج	۴۲
اہل تصوف جدید انسان سے کیا چاہتا ہے؟	۴۵
تصوف وراہ عشق کے کچھ اہم خطوط	۴۷
اللہ کی محبت سے دوری کے حامل افراد کا قابل رحم ہونا	۴۹
راہ سلوک میں پیش آنے والے خطرات	۵۰
محبت ومعرفت سے محرومی کی سزا	۵۱
متوسط صوفی ومنتہی صوفی کے حالات کا موازنہ	۵۳
راہ محبت میں چلنے والا کوئی شخص محروم نہیں ہوتا	۵۶
فنائیت کے بغیر اصلاح کا نہ ہونا	۵۸
روح پر نفس کی قوت کو غالب کرنے کے مضرات	۵۹
راہ محبت میں چلنے کے ثمرات ونتائج	۵۹
اللہ کے ذکر پر مداومت سے حیاۃ طیبہ کا حاصل ہونا	۶۲
مسلم معاشرہ میں پیدا ہونے والی حب مال کی بیماری	۶۲
معاشرہ کا سب سے بڑا روگ دین پر دنیا داری کو غالب کرنا	۶۶
دوسروں کے محاسبہ کے خبط کی بیماری اور اس کی اصلاح کی صورت	۶۷
اپنی صلاحیتوں سے زیادہ کام ہاتھ میں لینے کی بیماری	۶۸
داخلی اور خارجی خلفشار سے بچاؤ کی صورت	۷۰

صوفی کی پہلی اور آخری منزل	۷۰
غیر معمولی حقیقی مجاہدوں سے معارف کا کھلنا اور اللہ کے رنگ کا غالب ہونا	۷۱
حقیقی اہل اللہ کا معاشرہ میں کام کے لئے طریق کار	۷۲
قرآن کے تقاضے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی صورت	۷۲
انسانی شخصیت میں سب سے زیادہ طاقتور طوفانی لہریں اور ان کی اصلاح کی صورت	۷۳
طالب کا روح کے پیدا کردہ احساس اذیت سے گذرتے رہنا	۷۶
شہرت کے نتیجہ میں ملنے والی سزا	۷۸
وقت کی سب سے اہم ضرورت	۷۹
تصوف واحسان پر زور دینے کا اصل سبب	۸۰
ایک ماڈرن صوفی کی کہانی	۸۲
تصوف اور اس کے حقیقی خدوخال معاشرہ کو متحرک کرنے کی ضرورت	۸۶
جدید اسلامی تحریکیں تنظیم اسلامی ۔ جماعت اسلامی اور تصوف داعی کی محبت آمیز صدائیں	۹۵

حصہ اول

تصوف عہد جدید میں

اس کی مختلف شکلیں اور صحیح تصوف کے

خطوط ونقوش

زیر نظر مضمون میں صحیح وغلط تصوف کے درمیاں امتیازی خطوط پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مضمون کے ابتدائی حصہ میں تصوف وبزرگی کے نام پر دنیا داری یا سلف کے تصوف سے ہٹ کر ہونے والے مظاہر کی تفصیل سے نشاندہی کی گئی ہے۔ اگرچہ تنقید کا یہ ناگوار فریضہ سرانجام دینے کے لئے دل آمادہ نہیں تھا، اس لئے کہ اس میں نفسانیت کی آمیزش کا خطرہ موجود تھا۔

لیکن چونکہ معاشرہ میں جعلی تصوف یا تصوف کے نام پر غلط مظاہر نے جدید طبقات کو اصلی تصوف سے دور کرنے اور حقیقی تصوف کے سلسلہ میں ان میں شدید اشکالات وغلط فہمیاں پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، جس کا مختلف مواقع پر ان کی طرف سے اظہار ہوتا رہا ہے، اس لئے ضروری تھا کہ اس موضوع پر تفصیل سے لکھکر غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کاوش کی جائے، الحمداللہ مضمون میں جعلی اور حقیقی تصوف یا تصوف کے نام پر ہونے والے غلط مظاہر پر شافی بحث کی گئی ہے۔

تصوف پر تنقید کی ضرورت اس لئے بھی محسوس ہوئی کہ تصوف کی ضرورت واہمیت پر ہمارے مضامین اور کتابیں دیکھنے کے بعد متعدد اصحاب علم نے یہ اشکال ظاہر کیا کہ عہد جدید میں تصوف کے نام پر ہونے والے دنیاداری یا ہپناٹزم کے

مظاہروں اور صحیح وغلط تصوف کے درمیاں امتیاز کے حوالے سے کچھ لکھنا چاہئے، تاکہ پڑھنے والوں کے لیے دونوں کے درمیاں واضح خطوط سامنے آسکیں۔

اس مضمون میں تصوف سے وابستہ جن حلقوں پر بے جا تنقید ہوئی ہے اور اس تنقید سے ان کی دل آزاری ہوئی ہے، یہ عاجز ان سے معافی کا خواہاں ہے۔ چونکہ صحیح اور غلط کو واضح کرتے رہنا، یہ اہل علم کی اہم ذمہ داریوں میں شامل ہے، اس لئے اس ناگزیر فریضہ کی سرانجامی کی خاطر یہ تنقید ہوئی ہے۔

تصوف واحسان (جس سے ایمان کی گہرائی وابستہ ہے اور جو اسلام کی روح ہے، جو ہمارا اوڑھنا بچھوڑنا ہے) اسی تصوف سے وابستہ شخصیتوں پر تنقید کرنا، دراصل اپنے اور پر تنقید کرنا ہے اور اپنے آپ کو آئینہ دکھانا ہے۔ اس آئینہ میں اپنی شکل دیکھکر اس شکل پر لگے ہوئے زنگوں کو صاف کرکے ہی ہمیں آگے بڑھنا ہے اور معاشرہ کو سنبھالنے کے لئے زیادہ مؤثر اور زیادہ بہتر کردار ادا کرنا ہے۔

اپنے اوپر تنقید کرنا سب سے زیادہ دشوار گذار کام ہوتا ہے، اس سے اذیت بھی ہوتی ہے، لیکن اپنی کوتاہیوں کو سمجھکر انہیں دور کرنے کا طریقہ وراستہ یہی ہے۔

کیا زمانہ آگیا ہے کہ جو کام تصوف کی ممتاز علمی شخصیتوں کو کرنا چاہئے تھا اور محبت وسلیقہ سے کرنا چاہئے تھا، وہ کام مجھ جیسا علم ومعرفت سے بے بہرہ اور سیاہ کار فرد کررہا ہے۔ یہ بھی دراصل آخری دور کی علامتوں ہی میں شامل ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس تنقید کی روشنی میں میری اپنی اصلاح کی صورت پیدا فرمائے اور مجھے میرے نفس کے حوالے کرنے سے بچالے۔ **(محمد موسیٰ بھٹو)**

۱۔ عصر حاضر میں تصوف کی حقیقت کا اوجھل ہونا

اس دور میں ایک بڑا المیہ یہ ہوا ہے کہ تصوف کی غیر صحیح نمائندگی اور غیر صحیح مظاہر کی وجہ سے اصل تصوف کی حقیقت اوجھل ہوگئی ہے اور معاشرہ، اکابر بزرگان دین کے تصوف اور ان کی زندگی کے نقوش وخطوط سے محروم ہوگیا ہے، تصوف کی حقیقت اللہ رسول اور آخرت پر یقین کا ہونا، اللہ سے تعلق کا مستحکم ہونا، رسول اللہ ﷺ سے عشق کا تعلق قائم ہونا، نبوی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے سلسلہ میں حساس ہونا، حمیت دین کا ہونا، زہد فقر، دنیا واہل دنیا سے استغنا کی روش کا غالب ہونا، اللہ کے طالبوں اور اللہ کی مخلوق کو دستیاب ہونا، ان کے کام آنا، مالداروں سے ان کے مال کی وجہ سے قریب ہونے سے بچنے کی کاوش کا ہونا اور سیرت وکردار کی پاکیزگی کا ہونا وغیرہ ہے۔

۲۔ ہر دور میں اہل اللہ کا روشن کردار

اہل تصوف کا ایک بڑا کردار جو ہر دور میں مسلمہ رہا ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی خانقاہیں، دنیا کی دوڑ اور سبقت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے والوں، مادیت کے ستائے ہوئے، ذہنی دباؤ کے شکار اور ہر طرح کے مفلوک الحال افراد کے لئے پناہ گاہ کی حیثیت رکھتی رہی ہیں اور معاشرہ جب بھی اخلاقی وروحانی بحران سے دوچار رہا اور معاشی خوشحالی اور دنیاداری کے رجحانات نے معاشرہ کو اسلامی اعتبار سے زیر وزبر کیا ہے، اس وقت اہل تصوف نے آگے بڑھکر معاشرہ کو سنبھالا اور افراد کی بہتر طور پر تربیت کا فریضہ سرانجام دیا، ہماری ساری تاریخ اہل اللہ اور علمائے ربانیین کے اس کردار سے سرشار ہے۔ ان کے اسی کام کی وجہ سے ہر دور میں مسلم معاشرہ میں اخلاقی وروحانی بیماریوں کی روک تھام کی صورت پیدا ہوتی رہی اور افراد میں صبر، تحمل، بردباری اور رواداری کی صفات کو فروغ حاصل ہوتا رہا۔

لیکن ملت اسلامیہ کی پوری تاریخ میں موجودہ دور پہلا دور ہے، جس میں معاشرہ میں بڑھتے ہوئے فساد اور مادیت پرستی کی بڑھتی ہوئی طوفانی لہروں کے مقابلہ کی کوئی صورت پیدا نہیں ہورہی اور افراد کو دین وایمان پر قائم رکھنا اور اخلاقی قدروں کا حامل بنانا غیر معمولی طور پر دشوار ہوگیا ہے۔ نیز مسلم معاشرہ میں مغربی تہذیب کے غلبہ کے نتیجہ میں ذہنی امراض اور نفسیاتی بیماریوں کی ایک وبا ہے، جو پھیل چکی ہے اور نوجوان نسل، شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہوکر، زندگی کے دوراہے پر کھڑی ہے۔ اہل تصوف ان حالات کو بدلنے کے سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ فیصلہ کن بلکہ قابل ذکر کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کا

ایک بنیادی سبب حقیقی تصوف کے نام پر غلط تصوف کا فروغ ہے۔

۳۔ عالمی سرمایہ دار کی طرف سے اہل تصوف کو استعمال کرنے کی کاوشیں

عہد جدید عالمگیریت کا دور ہے، جسے عالمی شاہوکار کے غلبہ کا دور بھی کہہ سکتے ہیں، اس دور میں ریاستوں، قوموں اور ملکوں کی تقدیر کے فیصلے عالمی شاہوکار کے ہاتھوں میں چلی گئے ہے۔ عالمی شاہوکار کے پاس ایک تو دولت کے انبار ہیں، بے حد وحساب دولت، اتنی دولت کہ وہ اگر ساری قوموں کے ذہین افراد کو خرید لے تو وہ آسانی سے ایسا کرسکتا ہے۔ وہ عملا اس حکمت عملی پر گامزن بھی ہے۔

قوموں کا نظام تعلیم اور اس کا نصاب کیا ہو، طریق سیاست کیا ہو، میڈیا کا رخ کیا ہو، نسلوں کی ذہن سازی کن خطوط پر ہو، تعلیمی اداروں، انتظامیہ اور معاشرتی اور سیاسی سطح پر ابھرنے والی قیادت کے خدوخدوخال کیا ہوں، معیشت کا نقشہ کیا ہو؟ اعلیٰ تعلیمی اداروں اور سرکاری محکموں میں کس ذہنیت ومزاج کے حامل افراد فائز ہوں، غرض کہ زندگی کے سارے اہم معاملات کے سلسلہ میں عالمی شاہوکار ریاستوں اور قوموں کے بارے میں گہری منصوبہ بندی کے ساتھ کام کررہا ہے۔ عالمی شاہوکار (جسے عالمی استعمار یا مادیت کی عالمی قوت بھی کہہ سکتے ہیں) وہ یہ سمجھتا ہے کہ ریاستیں اور قومیں اگرچہ بظاہر آزاد ہیں، لیکن عملی طور پر ان کی جداگانہ حیثیت نہیں ہے، وہ ذہنی، تہذیبی اور معاشی طور پر ان کے غلام ہیں اور غلام قوموں کو زندگی کے اہم معاملات میں آزادانہ فیصلے کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ ہاں محدود دائرے میں وہ انتظامی وسیاسی معاملات میں کسی حد تک ضرور آزاد ہیں۔

عالمی شاہوکار نے قوموں پر اپنی گرفت کو قائم رکھنے کے لئے جہاں زندگی کے ہر اہم شعبہ سے وابستہ مؤثر افراد کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے، وہاں تصوف واہل تصوف پر بھی اس کی کرم فرمائی کا سلسلہ جاری ہے۔

اور اس سلسلہ میں وہ عرصہ سے اربہا ڈالر خرچ کررہا ہے۔ جس کی تفصیلات اخبارات میں آتی رہی ہیں۔ اور جس کے عملی مظاہر فتح اللہ گولن، شیخ الاسلام اور اس طرح کی دوسری متعدد شخصیتوں کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔

عہد جدید میں جہاں امت کے دوسرے ادارے مادیت کی طوفانی لہروں کی لپیٹ

میں ہیں، وہاں تزکیہ واحسان کا ادارہ تصوف واحسان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ہے۔ تصوف میں کچھ شخصیتیں ایسی ہیں، جنہوں نے عالمی سرمایہ دار کے جال میں پھنس کر بہت مال کمایا ہے اور شہرت بھی حاصل کی ہے، اور وہ وقتاً فوقتاً عالمی سرمایہ دار کے حق میں استعمال ہوکر، ملت اور مسلم ریاست کو کمزور کرنے کا کردار ادا کرتی رہتی ہیں۔

کچھ شخصیتیں وہ ہیں، جنہوں نے عالمی سرمایہ دار سے براہ راست تو نہیں، بالواسطہ طور پر پیسا لیا ہے، اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ان کی مالی حیثیت مستحکم ہوئی ہے اور وہ سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کی طرح شان ومان کی زندگی گزار رہے ہیں۔ جائداد، املاک، بنگلے، پلاٹ اور کاروبار نے ان کی نفسیات اور مزاج میں تبدیلی پیدا کردی ہے۔ حقیقی طالبوں کے لئے ان کے دروازے بند ہیں، جب کہ مالداروں کے لئے ہر وقت کھلے ہیں۔

۴۔ عالمی سرمایہ دار کی ان کاوشوں کے پس پردہ اصل ہدف

اس طرح کے اہل تصوف کے ذریعہ عالمی سرمایہ دار جو مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ یہ ہیں کہ ایک تو ان کے وسیع مریدوں میں یہ تاثر پیدا ہو کہ دنیا داروں والی زندگی اور مالداروں کی طرح شان ومان کی زندگی یہ تصوف کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ عین تصوف ہے، تاکہ اس طرح وہ تصوف کے اصل ہدف زہد، دنیا سے استغنا، توکل، قناعت وسادگی وغیرہ جیسے پاکیزہ تصورات سے آزاد ہوکر، سرمایہ دار کی پیدا کردہ نئی مادی زندگی کا بھرپور حصہ بنیں۔ اور پوری دنیا میں سرمایہ داری نظام کے زیر اثر مادی زندگی کو خوبصورت، حسین اور لذیذ سے لذیذ تر بنانے کی جو دوڑ شروع ہوئی ہے، اہل تصوف نہ صرف یہ کہ مادیت کی اس دوڑ اور اس تحریک کے خلاف مزاحمانہ کردار ادا نہ کریں، بلکہ وہ خود اس دوڑ میں پوری طرح شریک ہوں اور ان کا تصوف مادیت پرستی کی اس فضا میں رکاوٹ بننے نہ پائے۔

عالمی سرمایہ دار کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اہل تصوف کی اس طرح کی روش کے ذریعہ تصوف کا یہ پہلو اجاگر ہو کہ تصوف، ذکر وفکر اور پیر پرستی اور ذاتی زندگی میں کچھ بہتر کیفیات کا ذریعہ ہے، اسلامی حمیت، ملت کے مسائل، اسلام کے درد، معاشرہ کی اسلامی بنیادوں پر تشکیل وغیرہ، ان سارے کاموں سے تصوف واہل تصوف کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مریدوں کا زیادہ سے زیادہ کام یہ ہے کہ وہ اپنے پیر کو مرید فراہم کریں۔

۵۔ بعض اہل تصوف کی طرف سے توجہ اور ہپناٹزم کی مشقوں سے کام لینا

تصوف سے وابستہ کچھ شخصیتیں ایسی ہیں، جنہوں نے توجہ اور ہپناٹزم کی مشقوں اور تسخیری وظائف کے ذریعہ بہت سے افراد کو متاثر کیا ہے اور ان کی ذاتی زندگی میں بھی کسی حد تک اصلاح کی صورت پیدا کی ہے، لیکن شہرت اور کثرت دنیا نے خود اس طرح کی شخصیتوں کو سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے۔

توجہ کی مشقوں کے ذریعہ افراد کو قابو کرنے اور توجہ کے نشہ کا عادی بنا کر انہیں اپنی ذات کا اسیر بنانے کا عمل ایسا ہے، جو غیر محمود عمل ہے۔ اس کی وجہ سے افراد خود مجاہدوں کی راہ اختیار کرنے کی بجائے زندگی بھر توجہ کی حامل شخصیت کے رحم وکرم پر چلتے رہتے ہیں، چونکہ ایسے تصوف کے صاحبان مجاہدوں کے ذریعہ حالت فنا سے حالت بقا کے مراحل طے کرنے سے قاصر رہے ہیں، اس لئے وہ طالبوں کو راہ سلوک میں چلاکر آتش عشق میں جلاکر، ان کی اصلاح نفس کی استعداد سے بے بہرہ ہیں، اس لئے تصوف کے نام پر وہ انہیں توجہ کی مشقوں کے ذریعہ اپنے ساتھ وابستہ رکھنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ تصوف کے ایسے صاحبان، تزکیہ اور سیرت وکردار کی پاکیزگی کے حامل افراد پیدا کرسکیں، ممکن نہیں۔ یہ بزرگانِ دین کے تسلسل کے بھی منافی عمل ہے، اس کی وجہ سے زیادہ مرید اور دولت کی راہیں کھلتی ہیں، جب کہ سیرت وکردار میں پاکیزگی کا عمل متاثر ہوتا ہے۔ اور بزرگ خود مالداروں کے حصار میں رہنے لگتا ہے، یہ بڑی سزا ہے، جو توجہ کو بنیاد بنانے کے نتیجہ میں ملتی ہے۔

۶۔ تصوف کے نام پر شریعت سے بے نیازی کی روش

تصوف کا ایک طبقہ ان افراد پر مشتمل ہے، جو عشق اور ذکر کی بات کرتے ہیں۔ لیکن اسلامی شریعت اور نماز وغیرہ سے اعراض کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اسلام کے بنیادی عقائد کو بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ ایسے صوفیوں کا اکابر بزرگان دین کے تصوف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہیں جعلی صوفی شمار کیا جائے گا اور وہ حقیقی تصوف کی بدنامی کا بھی موجب ہیں۔

۷۔ بزرگان دین کی اولاد کا تصوف

تصوف سے وابستہ ایک بڑا طبقہ اکابر بزرگان دین کی اولاد کا ہے، جنہیں بزرگی کی مسند وراثت کے طور پر ملی ہے۔ اس بزرگی میں ان کے ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدے اور راہ سلوک کے سفر کو دخل حاصل نہیں ہے۔ اس طرح کے سجادہ نشینوں کو ''تبرک'' ہی سمجھا جائے گا، وہ اصلاح نفس کا کارنامہ سرانجام دے سکیں، ممکن نہیں، اس لئے کہ وہ خود اصلاح نفس کے مراحل سے گزر کر، نفسی قوتوں سے آشنا نہیں تو دوسروں کی اصلاح کیسے کر سکتے ہیں۔ اکابر بزرگوں کے خاندان سے وابستہ بعض افراد اپنی فطرت سلیمہ کی حفاظت اور بہتر تربیت کے وجہ سے ان کے صحیح جانشین شمار ہوتے ہیں اور افراد کو ان سے حقیقی فیض حاصل ہوتا ہے۔ ایسے صاحبزدگاں ملت کا سرمایہ ہیں، وہ افراد کی تربیت اور تطہیر معاشرہ کا اہم فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

تصوف میں بعض شخصیتیں وہ ہیں، جن کی لطیفہ نفس کی مشقیں زیادہ ہوتی ہیں، وہ جب مریدوں پر توجہ کرتی ہیں تو ان میں اچھل کود شروع ہوجاتی ہے اور چیخ پکار بھی۔ یہ خالص نفسیاتی نوعیت کی مشقیں ہوتی ہیں، جن کا حقیقی تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔

۸۔ ماڈرن صوفیوں کے کام پر ایک نظر

بعض ماڈرن صوفی ہیں۔ جو میڈیا کے ذریعہ متعارف ہیں اور کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ان میں سے کسی کو صاحب مزار بزرگ سے نسبت حاصل ہے تو کوئی مجذوب یا صاحب تکوین شخصیت کا صحبت یافتہ ہے۔ ان ماڈرن صوفیوں میں دو خصوصیات مشترکہ ہیں، ایک یہ کہ ان کا چہرہ سنت رسول کے شرف سے محروم ہے، دوم یہ کہ ان کے ہاں تصوف کے سلسلوں کے اسباق، جن میں اللہ اور لا الٰہ الا اللہ کا ذکر موجود نہیں ہے، وہ اپنے ساتھ وابستہ افراد کو اللہ کے صفاتی ناموں کے اذکار پر چلاتے ہیں۔ ان صفاتی اذکار پر ان کی محنتیں زیادہ ہیں۔ ان مجاہدوں کی وجہ سے ان کے دیئے ہوئے صفاتی اوراد کے ان کے مریدوں پر تھوڑے بہت اثرات ہوتے ہیں، بالخصوص ان کے مادی مسائل ومشکلات کے حل کی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، اس لئے کہ حل مشکلات اللہ کے صفاتی اوراد کی ضمنی خصوصیات میں شامل ہے۔

ان ماڈرن صوفیوں کے ہاں زیادہ تر ذہنی ونفسیاتی مریض اور مسائل کے شکار افراد رجوع ہوتے ہیں، جو علم نجوم وعلم جفر کے ذریعہ ان کے حالات معلوم کرکے، ان کے نام کے اعداد کے حساب سے انہیں اللہ کے صفاتی ذکر کا ورد بتاتے ہیں۔

یہ ماڈرن صوفی، افراد میں شرعی اعتبار سے تو کوئی فیصلہ کن تبدیلی برپا کرنے اور انہیں اسلام سے ہمہ آہنگ بنانے میں کسی کردار کی ادائیگی سے قاصر ہیں، تاہم افراد کی نفسیاتی تسکین اور ان میں روحانیت کے کچھ اجزاء کی منتقلی میں کامیاب ہیں۔ ان ماڈرن صوفیوں کے کام کا یہ پہلو اہم ہے کہ معاشرہ کے خوشحال اور دولت سے کھیلنے والے طبقات اور بیوروکریسی میں وہ ایک حد تک نفوذ کرنے میں کامیاب ہیں اور اذکار کے ذریعہ انہیں روحانیت کی طرف راغب کرنے میں کچھ کامیاب ہوئے ہیں، جو موجودہ مادہ پرستی کی عمومی فضا میں قابل قدر بات ہے۔

تاہم ان صوفیوں کا تصوف کے مسلمہ سلسلوں سے تعلق نہ ہونے اور راہ سلوک کا باقائدہ سفر طے نہ کرنے کی وجہ سے ان ماڈرن صوفیوں سے افراد کی اصلاح نفس کے سلسلہ میں زیادہ توقع رکھنا بے جا ہے۔

اگر یہ ماڈرن صوفی تصوف کے مسلمہ سلسلوں اور اسلامی مزاج کے خلاف نقوش مستحکم کرنے سے محفوظ رہتے ہیں تو یہ بات بجائے خود بڑی سعادت کی بات ہوگی۔

۹۔ بزرگ نما عاملوں کی صحبت کے اثرات
زندگی بھر محض کیفیات کے سحر میں رہنا

دور جدید میں تصوف کے ادارہ کو جس چیز نے زیادہ نقصان پہنچایا ہے، وہ تسخیری نوعیت کے وظائف ہیں۔ بعض اکابر بزرگوں نے بعض وظائف کی خصوصیات لکھی ہیں کہ ان وظائف کو معمول بنانے سے خلق کا رجوع ہوگا اور ان سے تاثری صلاحیت پیدا ہوگی، اگرچہ اکابر بزرگوں نے ان وظائف کو استعمال نہیں کیا، تاہم انہوں نے اس طرح کے وظائف کی خصوصیات لکھی ہیں۔

موجودہ دور میں چونکہ حب جاہ وحب مال کے جذبات میں اشتعال کی فضا موجود ہے اور مادیت کی طغیانیاں تیز تر ہیں، ان عمومی میلانات کے زیر اثر بعض افراد نے بزرگی کے نام پر انہی وظائف کو معمول بنا کر، اپنے گرد لوگوں کا جم غفیر جمع کر لیا ہے، چونکہ عام

لوگوں اور خود اہل علم اور ذہین افراد تک میں حقیقی تصوف اور وظائف کے ذریعہ کیفیات پیدا کرنے کے درمیاں فرق کرنے کی ادراک کی صلاحیت موجود نہیں، اس لئے وہ وظائف کے عامل پیروں کو فقیر منش بزرگوں سے زیادہ بڑا بزرگ سمجھتے رہے ہیں۔ اس طرح بہت سارے افراد غلط فہمی کی وجہ سے وظائف کے تسخیری اثرات کی زد میں رہے اور زندگی بھر اس سے اوپر اٹھکر، حقیقی اہل اللہ کی صحبت سے فیضیاب نہ ہو سکے۔

اس طرح کے وظائف کی بعض خصوصیات یہ ہیں:

- بزرگ نما عامل کی شخصیت کی مثال بجلی کے کرنٹ کی سی ہوجاتی ہے، جو بھی قریب آیا، وہ کرنٹ کے زیر اثر آجاتا ہے۔
- بزرگ نما عامل کی صحبت سے فرد اپنی زندگی میں نئی کیفیات محسوس کرنے لگتا ہے، ایسی کیفیات، جس کا اسے اس سے پہلے کبھی مشاہدہ نہیں ہوا تھا۔
- بزرگ نما عامل کی کشش فرد کو اس کی صحبت کے لئے مجبور کردیتی ہے۔ وہ اس کی صحبت کے بغیر رہ نہیں سکتا، ہر ماہ ایک دوبار اس کی صحبت اختیار کرکے، اپنی کیفیات میں تازگی کے لئے کوشاں رہتا ہے۔
- وہ بزرگ نما عامل پر فدا ہونے لگتا ہے۔ اس کی شخصیت کا سحر اسے قابو کرلیتا ہے۔
- بزرگ نما عامل اس طرح کی کیفیات پیدا کرکے، اسے جس مقصد کے لئے بھی استعمال کرنا چاہے، وہ اس کے لئے استعمال ہونے لگتا ہے۔

لیکن چونکہ بزرگ نما عامل عام طور پر اہل اللہ کی طویل عرصہ کی صحبت اور ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے ذریعہ فنائیت کے مراحل سے گزرا ہوا نہیں ہوتا، اس لئے وہ اپنے ساتھ وابستہ افراد کے تزکیہ وتربیت کا فریضہ سرانجام دے کر ان کی قابل ذکر حد تک اصلاح نہیں کرسکتا یا اصلاح میں ناکام ہوتا ہے، اس لئے کہ اصلاح تو اصلاح یافتہ شخصیت ہی کرسکتی ہے، جب کہ یہاں زیادہ تر وظائف کی مشق موجود ہے۔ یا ذکر وفکر کی صلاحیت موجود بھی ہے تو وہ قابل ذکر حد تک نہیں اور اس سے نفس کی فنائیت کے مراحل طے نہیں ہوتے۔ اس لئے دیکھا یہ گیا ہے کہ عامل نما بزرگوں کے ہاں ذکر کی مجلسیں بھی موجود ہیں، طالبوں کو ذکر بھی دیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ شخصیت پر حب جاہ وحب مال کا رنگ موجود ہے، جو اسے تسخیری وظائف استعمال کرنے پر مجبور کرتے ہیں، اس لئے اس طرح کی

شخصیتوں سے زندگی بھر وابستہ رہنے کے باوجود افراد کی سیرت وکردار میں پاکیزگی کا عمل تکمیل پذیر نہیں ہوتا اور ان کے حب جاہ وحب مال کے جذبات کی پامالی کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

کتنا بڑا نقصان ہے، جو عامل نما بزرگوں کی صحبت سے ہوتا ہے۔ اس عاجز کو بعض افراد نے بتایا کہ وہ پندرہ بیس سال تک ایک بزرگ سے وابستہ ہے۔ ہر ماہ صحبت کے لئے جاتے رہے۔ لیکن اتنے طویل عرصہ کی صحبت کے باوجود ذکر وفکر کے مجاہدے شروع نہ ہو سکے، صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ کے اجزا) غالب نہ ہو سکے۔ البتہ ان بزرگ کی صحبت کے لئے طبیعت میں سخت اضطراب پیدا ہوتا رہا اور اسے دیکھکر طبیعت بے قابو ہوجاتی تھی۔

۱۰۔ بزرگ نما عاملوں کی گفتگو میں بھی اثرات کا ہونا

بزرگ نما عاملوں میں یہ بات بھی دیکھی گئی ہے کہ ان کی گفتگو اور تقریر بھی مزاج میں الٹ پلٹ پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، ہمارے ایک دوست عامل جو حکیم بھی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کے ایک معروف بزرگ نما عامل کی میں نے گھر میں موبائل پر ان کی تقریر چلائی، ان کی تقریر سن کر میری اہلیہ بے ہوش ہوگئی۔ کافی دیر کے بعد اسے ہوش آیا، چار پانچ ماہ کے بعد پھر اتفاق سے عامل موصوف کی تقریر چل گئی، اہلیہ دوبارہ بے ہوش ہوگئی۔

بعض بزرگ نما عامل توجہ میں اتنا کمال حاصل کرلیتے ہیں کہ بڑے بڑے جلسوں میں شریک ہزاروں، لاکھوں افراد ان کی توجہ کی وجہ سے ان کی سحر زدگی کا شکار ہوجاتے ہیں اور ان کے ذہن میں موجود خیالات کی ساری لہریں ان کے ساتھ عقیدت کی لہر میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

ایک صاحب علم شخصیت نے بتایا کہ وہ اپنے ابتدائی دور میں ایک نوجوان عامل نما بزرگ سے وابستہ رہے، ان کی نظروں میں یا ان کی شخصیت میں وہ کشش تھی کہ بس دل چاہتا تھا کہ مستقلا ان کی صحبت میں رہا جائے۔ چند سالوں تک صحبت میں رہنے کے بعد جب ذکر وفکر کے اپنے مجاہدے شروع نہ ہو سکے تو فکرمندی ہوئی اور اس دور کی پاکستان کی ایک ممتاز روحانی شخصیت سے وابستگی ہوئی، اس وقت ان کی عمر لگ بھگ اَسی سال تھی اور

وہ ہراعتبار سے کامل بزرگ تھے اور اکابر بزرگوں کی نشانی تھے، لیکن ان کی صحبت سے شخصیت کی طرف غیرمعمولی میلان یا ان کی شخصیت میں فنا ہوجانے کا ذرہ برابر بھی احساس پیدا نہیں ہونے پایا۔ ان صاحب علم کا کہنا ہے کہ مجھے ان بزرگ کی ان کے وصال تک مستقلا صحبت حاصل رہی، لیکن ان نوجوان عامل نما بزرگ کے مقابلہ میں ان کی توجہ کے سحر زدگی کے اثرات ذرہ برابر بھی محسوس نہیں ہوئے، البتہ ان عمر رسیدہ بزرگ کی صحبت سے روحانی طورف پر غیرمعمولی استفادہ ہوا۔

اس عاجز کا تجربہ ومشاہدہ یہ ہے کہ عامل نما جن بزرگوں نے توجہ کو بنیادی ہدف کے طور پر استعمال کیا، اس سے بظاہر تو خلق کو کافی نفع ہوا، لیکن توجہ کی حامل وہ شخصیت ایک تو شہرت اور دولت سے فیضیاب ہوئی، دوم یہ کہ وہ سلف کی راہ سے جداگانہ راہ پر گامزن رہی اور وہ ادراک سے بھی قاصر رہے کہ سلف سے جداگانہ اختیار کر کے، انہوں نے راہ سلوک اور تصوف کو علمی حلقوں میں متنازع بنانے میں کتنا منفی کردار ادا کیا۔

اگر عقیدت کی فضا موجود ہو تو توجہ کی حامل شخصیت بڑے بڑے دانشوروں، اہل علم اور صاحب حیثیت افراد کو اپنے سامنے سرنگوں کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

اس طرح کی توجہ کے لئے فقر، زہد، تقویٰ اور ذکر وفکر کے غیرمعمولی مجاہدوں کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔ بس توجہ کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے نظروں کو ایک نکتہ پر مرکوز کرنے کی مشقوں کی ضرورت ہوتی ہے یا تسخیری وظائف کو معمول بنانا ہوتا ہے۔

توجہ کے عمل پر مغرب میں بہت کام ہوا ہے، اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ کر، انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا، ان سے دولت بٹورنا، ان کے ذہنوں میں اپنے خیالات کو ٹھونسنا وغیرہ وہاں یہ ساری چیزیں ہوتی ہیں، اخبارات میں اس تفصیلات پر مشتمل مضامین بھی چھپتے رہتے ہیں۔

ہمارے ہاں چونکہ علمی وفکری وتحقیقی فضا کا فقدان ہے اور عقل سے ماورا چیزوں کو روحانیت وبزرگی کا کمال سمجھا جاتا ہے اور یہ دیکھنے کی سرے سے ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی کہ توجہ کی صاحب شخصیت کی زندگی کا رنگ ڈھنگ، صاحب فقر، بزرگوں کے رنگ ڈھنگ سے مطابق بھی ہے یا نہیں، بس توجہ کی صلاحیتوں اور نظروں کی کشش کی وجہ سے اپنا دل اس طرح کی شخصیتوں کے سامنے پیش کردیا جاتا ہے اور انہیں بلند روحانی شخصیتوں

کی صف میں شمار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں بزرگوں کے پیش کردہ نقوش وخطوط اور ان کے بیان کردہ وہ اصول ہی ہمارے لئے رہنمائی کا ذریعہ ہیں، جن پر ان بزرگوں کا تعامل رہا ہے۔

جو چیز بزرگوں کے ہاں کسی خاص اہمیت کی حامل نہ ہو، اسے ہدف بنا کر مریدوں میں اضافہ کرنا، اپنے لئے خطرات پیدا کرنا اور اپنی حفاظت کے لئے خصوصی فورس کا اہتمام کرنا، وغیرہ یہ ساری چیزیں حقیقی تصوف واہل تصوف کے منافی ہیں۔

ممتاز بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب سنو کہ کوئی بزرگ ہوا میں اڑ رہا ہے اور اس کا کوئی عمل خلاف سنت ہے اور وہ بزرگ تمہارے شہر میں آرہا ہے تو تمہیں چاہئے کہ تم اس شہر سے نکل جاؤ، اس لئے کہ کہیں اس کے ان کمالات کی وجہ سے تم اس کے اسیر نہ ہوجاؤ۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ کے خلیفہ نے سنا کہ فلاشہر میں ایک ہندو یوگی برسوں تک شب وروز مندر میں رہتا ہے اور اپنے مذہب کے مطابق پوجا پاٹ میں مشغول رہتا ہے اور اس کی نظروں میں غیرمعمولی کشش موجود ہے، وہ جس کی طرف دیکھتا ہے، اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، وہ بزرگ موصوف اس یوگی کی تعریف سن کر، اسے دیکھنے کے لئے اس شہر گئے اور اس نے جب اسے مندر میں دیکھا تو اس نے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا، ان خلیفہ صاحب پر ان کے دیکھنے کا اثر یہ ہوا کہ اس کے دل اور دماغ میں ہر وقت اس کی تصویر گھومنے لگی، حتیٰ کہ نماز کے اوقات میں بھی، کئی ہفتوں تک وہ اس صورت سے دوچار رہے۔ چنانچہ وہ اپنے بزرگ کی صحبت میں گئے، بزرگ کی طاقتور صحبت نے اس سے یوگی کے ان اثرات کو زائل کیا۔

توجہ وتسخیری وظائف کی راہ اختیار کرنا اور ان چیزوں کو ہدف کی حیثیت دینا، حقیقی اہل اللہ ایسا ہرگز نہیں کرتے، اس لئے کہ یہ چیز شہرت کا ذریعہ ہوتی ہے اور حقیقی اہل اللہ شہرت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ان کے سامنے قرآن کی وہ بہت ساری آیتیں ہوتی ہیں، جن میں فرمایا گیا ہے: **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَداً**. (اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی پاک وصاف نہ ہوتا)۔

ھپناٹزم کی مشقوں کے اثرات بھی اسی سے کچھ مماثلت رکھتے ہیں۔ ایک صاحب نے بتایا کہ ہمارے قصبہ میں ایک صاحب کی ایک لڑکی سے محبت کا تعلق ہوگیا، اس نے اس کے والدین سے اس سے شادی کی بات چلائی، والدین تو راضی ہوگئے، لیکن لڑکی تیار نہیں ہوئی۔ ان صاحب نے ایک صاحب سے جو ہپناٹزم کی مشقوں کا عامل تھا، ان سے رابطہ کیا، ان صاحب نے کہا کہ لڑکی کے شناختی کارڈ کی کاپی جس میں اس کی تصویر بھی ہو، مجھے لاکر دو، اس نے وہ لاکر دی، ان مشقوں کے عامل صاحب نے اس کی تصویر دیکھکر، پانچ چھ بار اسے دھمکیاں دیں اور غصہ سے کہا کہ اس سے شادی کرو، ورنہ میں تمہیں زندہ درگور کروں گا، قتل کردوں گا۔

یہ عمل کرنے کے بعد ان صاحب نے شادی کے خواہشمند سے کہا کہ جاؤ، تمہارا کام ہوگیا۔ وہ گھر پہنچا تو وہ لڑکی وہاں پہلے سے موجود تھی۔ اسے دیکھکر وہ اس کے پاؤں پر گر پڑی اور کہا کہ مجھے قتل نہ کرو، میں شادی کے لئے تیار ہوں (لیکن دو چار دن کے بعد لڑکی پر یہ اثرات زائل ہوگئے)۔

۱۱۔ توجہ کے حامل بزرگوں کی بعض ادائیں

توجہ کے حامل بعض بزرگوں کی ایک ادا یہ دیکھی گئی ہے کہ ان کی مجلسوں میں ان کی شان میں قصیدہ پڑھے جاتے ہیں (منقبت کے نام پر) جس میں ان کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے جاتے ہیں۔ بزرگانِ موصوف نہ صرف یہ کہ یہ سب کچھ سنتے رہتے ہیں، بلکہ فنا فی الشیخ کے مقصد کی خاطر وہ اسے ناگریز سمجھتے ہیں۔

ایک بزرگ کی شان میں ایک رسالہ نے ضخیم نمبر نکالا، اس نمبر میں موصوف کی ایسی شان بیان فرمائی گئی کہ معلوم ہورہا تھا کہ برصغیر میں دوسو سال سے ایسی شخصیت پیدا ہی نہیں ہوئی .....موصوف نے اپنے خلیفہ سے کوئی باز پرس نہیں کی کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟

جب کہ حقیقی اہل اللہ اس معاملہ میں بہت حساس ہوتے ہیں اور لرزتے رہتے ہیں، اس سلسلہ میں عصر حاضر کے فقیر منش بزرگ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے دو واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک جلسہ میں ایک مقرر نے حضرت ڈاکٹر صاحب کی بزرگی کو بڑھا

چڑھا کر بیان کیا، اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ایسا نہ کریں، میرے نفس کو موٹا کرنے کے مواقع فراہم نہ کریں۔

مراقبہ کی ایک نشست میں ایک نیم مجذوب مرید نے حضرت ڈاکٹر صاحب کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا، مراقبہ ختم ہوا تو حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس حقیر وذلیل بندہ کی جو تعریف کی گئی ہے، آئندہ ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔ میں آئندہ یہ سنوں۔ چنانچہ اس کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوا۔

توجہ کے حامل بعض بزرگوں کی دوسری ''ادا'' یہ دیکھی گئی ہے کہ وہ معاوضہ دے کر افراد سے کتابیں لکھواتے ہیں۔ (انہیں موضوع دے کر) وہ کتابیں اپنے نام سے منسوب کرکے چھپواتے ہیں اور پوری کتاب میں ان لکھنے والوں کا ذکر ہی نہیں ہوتا، اس لئے کہ انہیں معاوضہ ادا کیا گیا یا انہیں اس مقصد کی خاطر ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔

یہ ایسی روش ہے، جو بزرگی کے شان کے منافی ہے۔ پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ کتابیں بزرگ موصوف کی لکھی ہوئی ہیں، حالانکہ بزرگ کی مصروفیات انہیں اس کام کی اجازت ہی نہیں دیتی۔ وہ کتابیں ذہین افراد سے معاوضہ پر لکھوائی گئی ہیں۔

توجہ کے حامل بعض بزرگوں کی تیسری ''ادا'' یہ دیکھی گئی ہے کہ ان کے پاس حقیقی طالبوں سے ملنے کے لئے وقت نہیں ہوتا، اس کا سبب ان کی مصروفیت کو قرار دیا جاتا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بزرگی کا منصب اپنے ساتھ بھاری ذمہ داریاں لاتا ہے، سب سے بھاری ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ طالبوں کی تربیت واصلاح کے لئے وقت نکالیں، نیز ان کے وقت کی سب سے اولین ترجیح یہی ہے۔ **وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَهٗ.** (اپنے آپ کو ان کے ساتھ بیٹھنے کا پابند بنالو، جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اپنے رب کی رضامندی چاہتے ہیں) ہم نے اپنے دور میں عمر رسیدہ بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ہر وقت مریدوں کے گھیرے میں رہتے تھے۔ یعنی مریدوں اور عام لوگوں کو ہر وقت دستیاب ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی سب سے بڑی مصروفیت ہی یہی ہے۔

حضرت مولانا خان محمدؒ، مولانا عبدالکریم قریشیؒ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰؒ، حضرت

مولانا عبدالحیؒ وغیرہ وہ عمر رسیدگی اور مختلف عوارض کے باوجود ہر وقت طالبوں اور عام لوگوں سے گھلے ملے رہتے تھے۔

۱۲۔ عامل نما بزرگوں اور اہل اللہ کے درمیاں امتیازی خطوط

حقیقی اہل اللہ کی صحبت سے جو پاکیزہ قلبی کیفیات پیدا ہوتی ہیں، وہ توجہ اور تسخیری وظائف کے عامل نما بزرگوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔وہ نفسیاتی نوعیت کی نہیں، بلکہ خالص روحانی نوعیت کی کیفیات ہوتی ہیں، ان کیفیات سے ایمان میں ارتقا نصیب ہوتا ہے، اللہ سے قربت کے مقامات طے ہوتے ہیں، ذکر وفکر میں ذوق وشوق کی فضا پیدا ہوتی ہے اور باطنی امراض کا ادراک وشعور ہونے لگتا ہے اور ان سے بچاؤ کی صورت بھی پیدا ہونے لگتی ہے۔

عامل نما بزرگوں اور حقیقی اہل اللہ کے درمیاں دوسرا فرق جو دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کردیتا ہے، وہ یہ ہے کہ عامل نما بزرگوں میں وافر مقدار میں دولت آنا شروع ہوجاتی ہے۔ بلکہ دولت کے لئے ان کی کاوشوں میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔

ان کی دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ شہرت کے خواہشمند ہوتے ہیں، اس کے لئے منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ ان کی تیسری ''خصوصیت'' یہ ہوتی ہے کہ وافر مقدار میں دولت کے آنے کے ساتھ ساتھ عام مریدوں کے ساتھ ان کے رابطہ کی صورتیں مسدود ہونے لگتی ہیں۔ اور دور سے زیارت تک معاملہ پہنچ جاتا ہے۔

جب کہ حقیقی اہل اللہ دولت سے بھاگنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔ سادہ زندگی گزارنا ان کا معمول ہوتا ہے۔ اگر ان کے پاس دولت آتی بھی ہے تو دعوت دین کے کاموں اور غریبوں کی مدد میں صرف ہوتی ہے۔ پھر اہل اللہ سے ملنا آسان ہوتا ہے۔ ان کا کافی وقت طالبوں اور ضرورتمندوں کے لئے مخصوص ہوتا ہے، ان کی نظر میں خلافت اور بزرگی کا بنیادی ہدف ہی یہی ہے کہ لوگوں کے دینی، روحانی اور دنیاوی مسائل ومعاملات میں کام آیا جائے۔

یقیناً اکابر اہل اللہ کے ہاں توجہ کی روایت موجود رہی ہے، لیکن انہوں نے توجہ کو معمول اور ہدف نہیں بنایا، کبھی ناگزیر ضرورت کے تحت توجہ کا استعمال کیا، اس سے زیادہ نہیں۔

اس سلسلہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ فنا کے مقامات مکمل طور پر طے کرکے حالت بقا میں آنے والا بزرگ سراپا توجہ ہوتا ہے۔ اس کی صحبت سے ایمان میں ارتقا ہوتا ہے، اس کی روحانی قوت، کمزور روح کے حامل طالب کی روحانی صلاحیت میں اضافہ کا ذریعہ بنتی ہے اور اس کی سیرت سازی کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ وہ نئی طاقتور ایمانی زندگی سے آشنا ہوجاتا ہے، اس سے بڑھکر حقیقی اہل اللہ کی صحبت کے طاقتور اثرات اور کیا ہو سکتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں توجہ کے وقتی اثرات کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

اس نکتہ کا استحضار بھی ضروری ہے کہ نگاہ کو ایک مرکزی نکتہ پر مرکوز کرنے اور تسخیری وظائف کے ذریعہ حاصل ہونے والے نتائج سے خالص خیر برآمد ہو یا وہ خالص خیر کا ذریعہ بن سکیں، مشکل ہے۔ چاہے بظاہر ان کے مقاصد نیک اور صحیح ہوں لیکن تحلیل نفسی بتاتی ہے کہ ان چیزوں کا سہارا لینے والوں میں لاشعور میں چھپی ہوئی نفسی خواہشات موجود ہوتی ہیں، اس لئے اس طرح کی شخصیتوں کا رخ جلد ہی حب جاہ وحب مال اور شہرت کی طرف مڑ جاتا ہے۔

توجہ کے موضوع پر اس تفصیلی گفتگو کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ آج کل بزرگی کے نام پر اس کا استعمال زیادہ ہوگیا ہے۔

۱۳۔ اسلام سے عناد رکھنے والوں کا تصوف

ایک جعلی تصوف جو تیار کرنے کی کوشش کی گئی، وہ اسلام سے عناد رکھنے والے دانشوروں کا تصوف ہے۔ سندھ میں اس جعلی تصوف کو جی ایم سید، محمد ابراہیم جویو اور رسول بخش پلیجو نے تقویت دی، یہ تصوف تھیاسافیکل سوسائٹی کی کوششوں کا نتیجہ تھا، جس کے مقاصد میں ایک اہم نکتہ یہ بھی شامل تھا کہ مسلمانوں کی ذہین نسلوں کا اسلام پر اعتماد ختم کردیا جائے، اس کے لئے وحدت مذاہب کے نام پر مراقبہ اور دھیان گیان کو مرکز بنایا گیا، تھیاسافیکل سوسائٹی دراصل عیسائی دانشور خاتون اینی بسنت کی بنائی گئی تھی، یہ سوسائٹی لگ بھگ پچھلے سوا سوسال سے کام کررہی ہے۔ کراچی میں تھیاسافیکل سوسائٹی کے نام سے ان کا مرکز قائم ہے۔ جی ایم سید صاحب ۱۹۳۰ء سے اس سوسائٹی کے پروگراموں میں شریک ہوتے رہے۔ یعنی سندھی دانشوروں میں تھیاسافیکل سوسائٹی کا تیار

کردہ پہلا شاگرد جی ایم سید صاحب تھا، جی، ایم سید صاحب نے اسلام پر کاری ضرب لگانے کے لئے رسول بخش پلیجو اور محمد ابراہیم جویو صاحب کے تعاون سے ''بزم صوفیائے سندھ'' کے نام سے تنظیم قائم کی، اس تنظیم کی طرف سے سندھ کے اکابر بزرگوں کی مزاروں پر پروگرام منعقد کرکے، اسلام دشمنی پر مشتمل نئے تصوف کو اجاگر کرنے کی کاوشیں کی گئیں، اس سلسلہ میں ''پیغام لطیف،'' ''شاہ (لطیف)، سچل اور سامی'' اور ''مشرقی شاعری کی فنی قدروں''، جیسی کئی کتابیں شائع کی گئیں۔اس طرح کی کتابوں میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی کہ تصوف کا بنیادی ہدف محبت اور انسانیت نوازی ہے۔ تصوف میں خدا، رسول اور مذہب کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔صوفی دراصل لاین اور سیکولر ہوتا ہے۔انسانیت سے محبت اس کا نصب العین ہوتا ہے۔ مذاہب کی بنیاد پر لوگوں کو تقسیم کرکے، توحید ورسالت کے نام پر دین کی دعوت دینا، یہ اہل تصوف کے شان اور ان کے مزاج کے منافی ہوتا ہے۔

یہ تصوف دراصل ترقی پسندوں، ہندی تہذیب کے علمبرداروں اور اسلام سے عناد رکھنے والوں کی ناگزیر ضرورت رہی ہے۔ اس سے اسلامی شریعت اور اللہ و رسول کی تعلیمات واحکامات بلکہ اسلام کے بنیادی عقائد تک کی عمارت متزلزل ہوجاتی ہے۔سندھ کی قوم پرست اور ترقی پسند فکر سے وابستہ ساری تنظیموں اور ان کے کارکنوں کی تربیت اسی تصوف کے ماحول میں ہوئی ہے۔

لاہور کے ایک مشہور اشاعتی ادارہ کی طرف سے بھی اسی طرح کے تصوف کو اجاگر کرنے کے لئے سلسلہ میں اردو زبان میں دسیوں کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ یہی وہ تصوف ہے، جسے اس وقت عالمی سرمایہ دار بھی فروغ دینا چاہتا ہے۔

۱۴۔بعض صحیح الفکر صوفیوں کی حکمت عملی کی غلطیاں اور ان کے اثرات

ہمارے ہاں بعض صحیح الفکر صوفی (جو معاشرہ میں بہت مشہور ہوئے) ان سے بعض غلطیاں ایسی ہوئیں، جس کی وجہ سے تصوف کے خطوط ونقوش میں تبدیلی واقع ہوئی، اور ان سے وابستہ افراد کی سیرت وکردار میں رونق پیدا ہونے میں رکاوٹ ہوئی، اس طرح صحیح الفکر صوفی معاشرہ کی اسلامی بنیادوں پر تعمیر وتشکیل میں نہ صرف یہ کہ قابل ذکر کردار ادا نہ

کر سکے، بلکہ جدید اسلامی فکر کے حاملین اور جدید طبقات میں تصوف واہل تصوف کے بارے میں وہ مزید غلط فہمیاں پیدا کرنے کا موجب ثابت ہوئے، ان کے ان نقائص میں کشف، خوابوں اور زیارتوں ومشاہدات کو فیصلہ کن اہمیت دینا، یہ دعویٰ کرنا کہ جو ہم سے وابستہ ہوگا، ہم انہیں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف کریں گے۔ دوم اس طرح کے صحیح الفکر بعض صوفیوں کی طرف سے ذکر وفکر کے مجاہدوں پر زیادہ زور دینے کی بجائے توجہ کے ذریعہ ان میں الٹ پلٹ پیدا کرنے کی کاوشوں کا ہونا، سوم مالداروں کو غیر ضروری اہمیت دینا اور ان سے تعلقات کے ذریعہ مالی طور پر مستحکم ہونا اور پلاٹوں، جائداد، املاک اور مارکیٹوں کا صاحب ہونا، چہارم خلافت جیسی بھاری ذمہ داری اور بہت بڑی امانت سپرد کرنے میں غیر معمولی فیاضی کا مظاہرہ ہونا اور معمولی عرصہ کی وابستگی کے بعد ذہنی وعلمی طور پر باصلاحیت افراد کو خلافتوں سے نوازتے رہنے کی روش کا ہونا، بعض مریدوں کو دس پندرہ منٹ کے مراقبہ کے معمول پر خلافت سے نوازنا، اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے معاشرہ میں ہزاروں خلفاء کا سامنے آنا، لیکن ان خلفاء میں بزرگی کے لئے غیر معمولی ذاتی مجاہدے شامل نہیں تھے، اس لئے وہ عام طور پر اپنی ذات اور معاشرہ کے لئے خیر وبرکت کا باعث نہ بن سکے۔

ان بزرگوں کی اس حکمت عملی کی وجہ سے جگہ جگہ ان کے خلفاء میں دولت پر تنازعات، چھوٹی چھوٹی چیزوں پر باہمی رنجشوں اور خلفشار کے ایسے مناظر سامنے آئے کہ نامور صوفیوں کی زندگی بھر کی کاوشوں کے نتیجہ میں قائم ہونے والی تصوف کی عمارت متزلزل ہوئی اور ہزاروں باصلاحیت افراد تتر بتر ہوگئے۔

یہ سب اکابر بزرگوں کے قائم کردہ تصوف کے اصولوں سے انحراف کا نتیجہ تھا، جس پر درد وغم کے اظہار کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

ہمارے علاقہ میں ایک بزرگ نما عامل ہیں، (جنہیں بہت شہرت حاصل ہے، موصوف کو دینی علوم اور دینی کتابوں کے مطالعہ کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔

اس اعتبار سے وہ خالی ذہن ہیں، البتہ حافظ قرآن ہیں، موصوف سال میں تسخیری وظائف کا ایک چلہ کاٹتے ہیں۔ اس چلہ میں وہ لوگوں سے منقطع ہوکر یکسو ہوجاتے ہیں،

اس چلہ کی بدولت عام لوگوں اور مالداروں کا ان کی طرف غیرمعمولی رجوع ہے، اور موصوف بے پناہ دولت اور شہرت کے مالک ہیں، لوگوں کا نام کاج کے لئے تعویذ اور وظائف دینے کے لئے ان کے خلفاء کا نظام قائم ہے۔

۱۵۔تصوف کے نام پر میلے ٹھیلے اور راگ ورنگ کی محفلوں کا ہونا

تصوف کے نام پر میلے ٹھیلے، اور راگ ورنگ کی محفلیں، ناچنے تھرکنے کی ادائیں، بزرگوں کی مزاروں پر بھنگ وچرس کے مظاہر، ٹی وی پر اداکاراؤں کی طرف سے تھرکتے ہوئے جسم کے ساتھ بزرگوں کی حالت سکر کے کلام کی گـــائـگـی ، اللہ کی صفات میں بزرگوں کو شریک کرنے کی حرکتیں، مزاروں پر سجدہ ریز ہونا، ان سے دعائیں مانگنا، بزرگان دین کو دین وشریعت سے خالی محض عاشق کی حیثیت سے پیش کرنے کی منظّم کاوشوں کا ہونا، خالص عشق پر مشتمل بزرگوں کے کلام کا مادی عشق کے مقاصد کے لئے استعمال ہونا، صوفی یونیورسٹی کے ذریعہ اسلام واسلامی عقائد سے عاری اور سارے مذاہب کے مشترکہ مشرکانہ تصوف کو فروغ دینے کی کاوشوں کا ہونا وغیرہ، تصوف کے نام پر یہ مظاہر دراصل مسرفین (خوشحال طبقات) اور جاہل عوام کی کارستانی ہے، جسے صاحبان ایمان کو سمجھنا چاہئے۔ اور اس بات کا پوری طرح ادراک ہونا چاہئے۔

۱۶۔جعلی تصوف کے پس پردہ اصل محرک کی نشاندہی

تصوف وبزرگی کے نام پر مذکورہ مظاہر ومناظر ایسے ہیں، جنہوں نے علمی حلقوں اور جدید طبقات میں اہل تصوف کے اعتماد کو مجروح کیا ہے۔ اور اکابر بزرگوں کے تصوف کی نمائندگی وترجمانی پر ضرب کاری لگائی ہے، اس کا ایک بڑا نقصان جو ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ معاشرہ میں اخلاص ویقین، اور سیرت وکردار کے اعتبار سے ایک زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے، اور مادیت پرستی کے طوفان نے دیہات سے لے کر شہروں تک کا گھیراؤ کر لیا ہے۔ حقیقی درویش یہ منظر دیکھکر اس لئے بے بس ہیں کہ درویشی کے نام پر دکانداری کی عمومی روش نے امت کے اس ادارہ کے بارے میں بدظنی وبداعتمادی کی عمومی فضا پیدا کردی ہے۔

حقیقی بزرگی کے نام پر جعلی بزرگی یا تصوف کے نام پر پیدا ہونے والی ان ساری

خرابیوں کی تہہ میں جو چیز کارفرما ہے، وہ غیرمعمولی مجاہدوں کے ذریعہ نفس کو آخری حد تک پامال کرنے کی کاوشوں کا نہ ہونا اور اس کے نتیجہ میں نفسی قوتوں کا مشتعل ہونا اور خصیص دنیا کا غالب آجانا ہے۔ تصوف میں پیدا ہونے والا زوال اور اس کی خرابیوں کا ایک بنیادی سبب یہی ہے۔

جب ذکر وفکر کے غیرمعمولی مجاہدوں کے ذریعہ نفسی قوتیں آخری حد تک پامال ہوتی ہیں تو نفس کی طرف سے بزرگ بن کر معاشرہ میں خرابیاں پیدا کرنے اور امت کے اس پاکیزہ ادارہ کو بدنام کرنے کے جذبات واحساسات کنٹرول میں آجاتے ہیں یا ان احساسات کی بڑی حد تک روک تھام کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔

جب مطلوبہ درجہ تک مجاہدے نہیں ہوتے اور حالت فنا سے حالت بقا میں آنے کے لئے نفس آمادہ نہیں ہوتا اور نفس کا آمادہ ہونا مشکل بھی ہوتا ہے، اس لئے کہ اس مقام تک رسائی کے لئے طویل عرصہ تک مسلسل اندر میں غوطہ زن ہونا پڑتا ہے۔

۱۷۔خام صوفیوں کے حب مال کے جذبات کا بے قابو ہونا

اس صورت میں جعلی یا خام صوفی حب جاہ وحب مال کے جذبات سے بے قابو ہونے لگتا ہے اور ان جذبات کی تسکین کی خاطر وہ ساری چیزیں اختیار کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔ چونکہ جعلی یا خام صوفی (حالت بقا تک عدم رسائی کا حامل صوفی) طالبوں کی پوری طرح تربیت سے قاصر ہوتا ہے، وہ راہ سلوک کے مدوجزر سے پوری طرح آشنا نہیں ہوتا، اس لئے اسے وظیفوں، عملیات اور نظر میں چمک پیدا کرنے یا کشف ومشاہدوں وعلم جفر وعلم نجوم کی ضرورت درپیش ہوتی ہے، تاکہ ان چیزوں کے ذریعہ مریدوں کو قابو کیا جاسکے، اس طرح اس کے حب جاہ وحب مال کے جذبات کی تسکین کی صورت پیدا ہوتی رہے۔

تصوف میں پیدا ہونے والی خرابیوں کا ایک سبب اکابر بزرگوں کی طرف سے قرآن وسنت پر غور وفکر کے نتیجہ میں متعین کردہ اصولوں کی خلاف ورزی بھی ہے۔ ان اصولوں کی خلاف ورزی کرنے والا اس کے نتائج سے بچ سکے مشکل ہے۔ یہاں تو ہر قدم پر محتاط رہنے اور ہر وقت محبوب حقیقی سے محض اس کا فضل مانگتے رہنے کی ضرورت ہے۔

۱۸۔ حضرت مجددؒ کی طرف سے اپنے خلیفہ کو مریدوں کے مال پر نظر نہ کرنے کی تلقین

اکابر بزرگوں کے ان اصولوں کی ہم نے اپنے متعدد مضامین میں نشاندہی کی ہے۔ یہاں اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک مکتوب کا اقتباس پیش کرتے ہیں، جو انہوں نے اپنے ایک خلیفہ ملا طاہر بدخشی کو لکھا تھا، اس اقتباس سے تصوف کے کچھ اہم ونازک اصولوں سے کسی حد تک آشنائی ہوجاتی ہے، لکھتے ہیں۔

''مخلوق میں اپنے مقبول ہونے کی شہرت سے لرزاں وترساں رہنا، جیسا کہ آنحضرتﷺ کا ارشاد ہے کہ (ترجمہ، آدمی کی بُرائی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ لوگ دین ودنیا میں (شہرت کی بنا پر) اس کی طرف انگلیاں اٹھائیں، مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے)۔

اپنے افعال ونیتوں کو ناقص سمجھنا، اگرچہ وہ روز روشن کی طرح واضح ہوں۔

اپنے احوال ومواجید (کشف ومشاہدات) پر عدم توجہ کرنا، اگرچہ وہ درست ومطابق شریعت ہی کیوں نہ ہوں۔''

''اگر کوئی مرید (اصلاح کی) طلب کے ساتھ آئے اور (اور حق تعالیٰ کے ساتھ) مشغول رہنے کا ارادہ ظاہر کرے تو اسے تم اپنے لئے ببر شیر کی طرح سمجھو اور اس سے ڈرتے رہو کہ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لئے خرابی کا موجب ہو اور یہ امر اس کے لئے استدراج ثابت ہو۔ اگر بالفرض کسی مرید کے آنے سے خوشی محسوس ہو تو اس خوشی کو کفر اور شرک کی طرح بُرا سمجھیں اور اس کا تدارک استغفار اور ندامت کے ذریعہ اس حد تک کریں کہ دل سے خوشی کا اثر بالکل زائل ہوجائے، بلکہ خوشی کی بجائے دل میں غم اور خوف کی کیفیت پیدا ہوجائے۔

اور اپنے خلفاء کو اس بات کی تاکید کریں کہ مرید کے مال میں طمع اور ان سے دنیاوی فائدے کی آرزو اور توقع ہرگز نہ رکھیں، کیونکہ یہ آرزو مرید کی اصلاح وہدایت کی راہ میں رکاوٹ بنے گی اور بزرگ کے لئے فتنہ کا موجب ثابت ہوگی۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے خالص دین کا مطالبہ ہے، **الا للہ الدین الخالص** (سورۃ زمر آیت ۳) (آگاہ رہو کہ خالص دین اللہ ہی کے لئے ہے)۔ اس کی مقدس بارگاہ میں شرک کی کسی طرح کی

کوئی گنجائش موجود نہیں۔

یہ نکتہ بھی ذہن نشین ہونا چاہئے کہ دل پر طاری ہونے والی ہر قسم کی تاریکی اور قساوت کا ازالہ توبہ واستغفار اور شرمندگی اور التجا کے ذریعہ آسانی سے ہوسکتا ہے، لیکن دل پر جو تاریکی اور کدورت کمینی دنیا کی محبت کی وجہ سے طاری ہوتی ہے، جو دل کو غلیظ اور ناپاک کردیتی ہے، اس کا ازالہ بہت دشوار ہوتا ہے۔ آنحضورﷺ نے صحیح فرمایا ہے کہ **"حب الدنیا رأس کل خطیئة"** (دنیا کی محبت ساری بُرائیوں کی جڑ ہے) اللہ تعالیٰ ہم کو، آپ کو دنیا کی محبت، دنیا داروں کی محبت اور ان سے میل جول سے بچائے، کیونکہ یہ محبت زہر قاتل ہے، ہلاکت خیز بیماری ہے اور عظیم تر بلا ہے اور پھیلنے والی بیماری ہے۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۱۷۔ مترجم حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ)۔

۱۹۔ مکتوب کے نکات سے موجودہ دور کے اہل تصوف کا موازنہ

حضرت مجدد نے اس مکتوب میں بزرگی کی مسند پر فائز شخصیتوں کو دو خطرات سے آگاہ فرمایا ہے، ایک یہ کہ مرید بنانے کی آرزو وخواہش نہ ہو، جو شخص اصلاح کی نیت سے مرید بننے کے لئے آئے، اس سے ڈرا جائے کہ کہیں اس سے دعویٔ بزرگی کا داعیہ بیدار نہ ہو، اس طرح پیری مریدی بزرگ کے لئے خطرہ کا باعث بن جائے۔ دوسری چیز جس سے آپ نے ڈرایا ہے، وہ یہ ہے کہ مریدوں کے مال پر نگاہ ہرگز نہ ہونے پائے، ورنہ حب مال کے جذبات بیدار ہوکر بزرگ کے گرانے کا موجب ثابت ہوں گے۔

حضرت مجدد کے بیان کردہ ان بنیادی امور میں تصوف کو پرکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقی تصوف، فنائیت اور دنیا واہل دنیا سے استغنا کا ذریعہ ہے۔

بدقسمتی سے اس دور میں یہی دو چیزیں ہیں، جن کا معروف گدہ نشینوں اور روایتی پیروں میں فقداں ہے، ایک تو مرید بنانے کی دوڑ شروع ہوگئی ہے۔ عام جلسوں میں بیعت کرائی جاتی ہے، اس سے ہوتا یہ ہے کہ مرید کو عام طور پر زندگی بھر پیر کی صحبت کی توفیق نصیب نہیں ہوتی، اس لئے کہ یہ شعوری بیعت نہیں ہوتی، بلکہ رسمی نوعیت کی بیعت ہوتی ہے، پھر مرید صاحب زندگی بھر کہتا رہتا ہے کہ میں تو فلاں بزرگ سے بیعت ہوں، اگر بعد میں اسے اپنے قرب وجوار میں صحیح درویش وبزرگ مل بھی جائے تو وہ برسوں پہلے

بزرگ سے رسمی طور پر ہونے والی بیعت کو مقدس سمجھکر، نئے ملنے والے بزرگ سے اصلاح کے لئے رجوع نہیں ہوتا، اس طرح یہ رسمی بیعت افراد کے لئے عام طور پر زندگی بھر حقیقی اصلاح سے دوری کا ذریعہ بنتی ہے، ایسے بہت سارے مرید ہیں، جن سے ہمیں واسطہ ہوا ہے۔

حضرت مجدد کا بیان کردہ دوسرا نکتہ کہ مرید کے مال پر نظر نہ کی جائے، آج کل تو ایک دو فیصد حقیقی درویشوں کے علاوہ سارے بزرگوں کے ہاں عام طور پر مالدار بننے اور مریدوں سے مختلف طریقوں سے مال کے حصول کی کاوشیں جاری ہیں۔ اس اعتبار سے اہل تصوف،موجودہ دور میں اصلاح کی طلب رکھنے والے افراد کے لئے بہت بڑی آزمائش بن گئے ہیں کہ اہل تصوف پر دنیادارانہ رنگ کے غلبہ کی وجہ سے وہ تصوف کے بارے میں شدید تحفظات واشکالات کا شکار ہیں۔

۲۰۔ بزرگ نما عاملوں کے کام کا افادی پہلو

یہاں یہ نکتہ پیش ہونا شاید غیرضروری نہ ہو کہ ایسے بزرگ نما عامل (جو تسخیری وظیفوں وتوجہ کے حامل ہیں اور جو کسی حد تک ذکر وفکر کے مجاہدوں سے بھی گزرے ہیں اور فنائیت کے مراحل طے کرنے سے پہلے ہی وہ بزرگی کے منصب پر فائز ہوئے ہیں) مادیت پرستی کے موجودہ دور میں اپنی ساری کمیوں وکوتاہیوں کے باوجود ان کا وجود بھی غنیمت سمجھا جائے گا کہ وہ نفس پرستی ومادیت کی دلدل میں مبتلا افراد کو اپنے تسخیری اثرات کی وجہ سے روحانیت، ذکر فکر اور شریعت کی طرف کسی حد تک لانے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ اور معاشرہ میں لاکھوں افراد ہیں، جن کو وہ کسی حد تک روحانی طور پر سنبھالے ہوئے ہیں اور نفسیاتی بیماریوں اور ذہنی دباؤ سے بچائے ہوئے ہیں۔ دجالی تہذیب کی پیدا کردہ مادیت کی فضا میں ان کے کام کے افادی پہلوؤں سے انکار صحیح نہیں، تاہم صحیح تصوف اور اکابر بزرگوں کے زہد، فقر اور دنیا واہل دنیا سے استغنا اور حقیقی راہ سلوک کے سفر کے اعتبار سے ان بزرگ نما عاملوں کے کام کے نقائص، جن کی ہم نے نشاندہی کی ہے، وہ موجود ہیں، راہ سلوک کے وہ طالب جو نفسی قوتوں کو آتش میں جلا کر نفس مطمئنہ کے اجزاء کے حصول کے خواہشمند ہیں، ان کے لئے بقا باللہ اور صاحب فقر بزرگوں سے تعلق مستحکم کئے

بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

۲۱۔ اصل اہل تصوف کا کردار

تصوف سے وابستہ اصل طبقہ ان فقیروں، درویشوں اور صاحبان دل کا ہے، جو نفسی قوتوں کے سمندر سے گذر کر، اس سمندر کو پار کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ایسی شخصیتیں اب بھی معاشرہ میں موجود ہیں، لیکن مادہ پرستی کے سیلاب اور اس کی طغیانیوں کی وجہ سے دنیا کی جو دوڑ شروع ہوئی ہے، اس دوڑ نے انہیں کونوں کھدروں میں رہ کر خاموشی سے اپنی اصلاح اور اپنے حلقہ سے وابستہ افراد کی اصلاح کے کام پر لگادیا ہے، وہ شہرت سے کوسوں دور ہیں۔ اہل دنیا اور مالداروں سے تعلقات کے لئے ان کے دل سرد ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مٹائے ہوئے ہیں۔ ذکر میں استغراق، محبت سے اپنے پاس آنے والے افراد کی تربیت کی فکر ان پر غالب ہے۔ زندگی کے ہر موڑ پر خوداحتسابی ان کا وظیفہ حیات ہے۔ وہ پیری مریدی کے روایتی آداب کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں، ان کی آرزو ہے کہ انہیں کوئی نہ پہچانے، وہ گم نام رہیں۔

اس طرح کی شخصیتوں میں علمی اور ذہنی اعتبار سے باصلاحیت وفاضل شخصیتیں بھی موجود ہیں، جو اپنے نام کے ساتھ قطب الاقطاب، شیخ العرب والعجم، پیر طریقت اور رہبر شریعت جیسے القاب لگانے کو اپنے لئے سخت مضر سمجھتی ہیں اور اپنے حلقہ سے وابستہ افراد میں اپنے بارے میں خود پرستی والا مزاج ہرگز پیدا نہیں ہونے دیتی، اس طرح کے درویشوں کے دروازے حقیقی طالبوں کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ اور ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی۔

تصوف کا اصل سرمایہ یہی شخصیتیں ہیں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اس طرح کی تھوڑی بہت شخصیتیں آخر وقت تک موجود رہیں گی۔

اس طرح کی شخصیتیں طلب کے نتیجہ میں مل سکتی ہیں اور ان کی صحبتِ مسلسل سے فرد وافراد کو نئی حقیقی اور گہری ایمانی زندگی عطا ہوتی ہے اور ان کی سیرت وکردار میں پاکیزگی پیدا ہونے لگتی ہے۔

یہ عاجز ایسی شخصیتوں کی صحبت بلکہ ان کی غلامی کو اپنے لئے سرمایہ حیات سمجھتا

ہے۔ الحمدللہ اس عاجز کو پچھلے ۳۲ سال سے اس طرح کی شخصیتوں کی صحبت حاصل رہی ہے۔ ان کی صحبت کے ہر عمل سے سب سے بڑا مشاہدہ اور فائدہ جو ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ نفس کی گہرائیوں میں موجود نئے نئے مکر وفریب سے آشنائی ہوتی رہتی ہے اور ان سے بچاؤ کی صورت بھی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ فقیر منش شخصیتیں گویا آئینہ ہیں، جن میں طالبوں کو اپنی باطنی شکل وصورت اور شخصیت کے باطن میں موجود داغ صاف شکل میں دکھانے دینے لگتے ہیں اور ان داغوں کی صفائی ودھلائی کا احساس بھی شدت سے ابھرنے لگتا ہے۔

تصوف واحسان اسلام کا باطنی شعبہ ہے، جو دل کی نگرانی سے تعلق رکھتا ہے کہ دل غیر اللہ کی طرف متوجہ نہ ہونے پائے اور اللہ سے اس کا مستحکم تعلق قائم ہو، اس کے لئے تصوف میں ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدے کرائے جاتے ہیں، تاکہ خود احتسابی کا عمل مستقل طور پر جاری رہ سکے اور نفسی قوتوں کی یرغمالی سے بچا جا سکے۔ نیز اسلامی شریعت، مزاج کا حصہ بن جائے اور ہر ہر سنت پر عمل پیرا ہونا طبیعت ثانیہ بن جائے اور لذت کا مسئلہ بن جائے۔

پھر تصوف، مادیت اور دنیا میں انہماک سے بچاؤ کا بھی ذریعہ ہے، اس لئے کہ جب دل، ذکر وفکر کے ذریعہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے لگتا ہے تو دل اور ذہن سے دنیا کے تفکرات اور زیادہ سے زیادہ دولت کے حصول کے احساسات وجذبات سے آزادی نصیب ہوتی ہے۔

اہل تصوف نے پچھلے ۱۴ سو سال سے امت کو مادیت میں مستغرق ہونے سے بچاکر، رجوع الی اللہ کی تحریک کو مستحکم کیا ہے اور افرادکو باطنی بیماریوں سے بچاکر معاشرہ میں ہر طرح کے فساد کے خلاف مزاحمانہ قوت پیدا کی ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ میں بزرگان دین کی بڑی فہرست نظر آتی ہے، جنہوں نے اپنی زندگیاں اس مقصد کے لئے صرف کی ہیں اور زہد ودنیا سے استغنا اور اسلامی شریعت کے تحفظ وبقا کا کردار ادا کیا ہے۔

۲۲۔ مسلم معاشرہ میں بڑھتی ہوئی نفسانفسی کی صورتحال

اس وقت مسلم معاشرہ عالمگیر مادہ پرست معاشروں کے زیر اثر دنیا اور مادیت میں

استغراق کی بیماری میں مبتلا ہوگیا ہے۔ ہر خاندان اور خاندان کا لگ بھگ ہر فرد ہائے دنیا کی بیماری اور حرص میں مبتلا ہو چکا ہے اور دنیا پر فریفتگی اور جنوں کی روش انتہا پر پہنچ چکی ہے۔ نفسانیت اور نفسانفسی کی اس قدر فضا پیدا ہو چکی ہے کہ خاندان کا ایک فرد اگر دولت میں نہا رہا ہوتا ہے اور کروڑ پتی ہوتا ہے تو وہ خاندان کے دوسرے غریب افراد کو ان کی حالت رحم اور حالت زار پر چھوڑ دیتا ہے اور انہیں بھوکا رہتے ہوئے دیکھکر بے حس بن جاتا ہے۔

سنگ دلی وقساوت قلبی کی یہ وہ انتہا ہے، جو اس وقت مسلم معاشرے کے خوشحال افراد میں پیدا ہو چکی ہے۔

یہ وہ سیلاب ہے، جسے اہل تصوف روکنے کے سلسلہ میں بے بس ہیں، اس کے اسباب کا جائزہ لیں گے تو خارجی اور داخلی طور پر اس کے بہت سارے اسباب نظر آئیں آ گے۔

خارجی اسباب میں ایک سبب تو یہ ہے کہ دنیا بھر کے افراد کے روزگار اور معیشت کی باگ اب عالمی سرمایہ دار کے حوالے ہوچکی ہے، تعلیمی وفنی ادارے جو روزی کی صلاحیت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں، ان سارے اداروں کی بنیاد میں عالمی شاہوکار کی مادہ پرست ملحدانہ فکر غالب ہے۔

نصاب کی کتابیں ہوں یا پڑھانے والے استاد ہوں، وہ عام طور پر دنیا ہی کو نصب العین سمجھتے ہیں اور وہ اس نصب العین کو مقصد زندگی بنا چکے ہیں۔ ان حالات میں ماضی کی طرح تصوف واہل تصوف اہم کردار ادا کر سکتے تھے، لیکن بدقسمتی سے مادیت پرستی کے رخ کو موڑنے کے سلسلہ میں اہل تصوف فیصلہ کن کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں، وہ معاشرے کے ایک آدھ فیصد افراد کو بچانے میں تو کامیاب ہیں، لیکن سیلاب کے سامنے بند باندھنے میں کامیاب نہیں۔

۲۳۔ انسانیت پر مادیت پرستی کی لعنت کو مسلط کرنے کی اہل یورپ کی کاوشوں کا پس منظر

انسانیت پر مادیت پرستی کی لعنت کو مسلط کرنے کے لئے یورپ نے سب سے پہلے

دین ومذاہب کے متوازی خالص مادی نوعیت کے نظریات تخلیق دیئے، ان نظریات کے لئے یورپ میں ہزاروں دانشور، مفکر، نفسیاتی ماہر اور محقق سامنے آئے اور انہوں نے ملحدانہ نظریات کو خالص مادی بنیادیں فراہم کرنے کے لئے ہزاروں نہیں، لاکھوں کتابیں تخلیق کی، مشین کی ایجاد سے وہاں جاگیرداروں کی جگہ سرمایہ دار وجود میں آئے، جو سنگ دلی میں جاگیرداروں سے کئی سو گنا آگے تھے۔

سرمایہ داروں کی کوششوں سے سائنسی ترقی ہوئی اور نئی نئی ٹیکنالوجی وجود میں آئی اور بے شمار نئے علوم وفنون وجود میں آئے۔ ان سارے علوم اور فنون سے خدا کے تصور کو نکال دیا گیا۔

اب یہی علوم وفنون مسلم امت کا بھی حصہ ہیں۔ مسلمان خاندان کا ہر فکر رکھنے والا فرد اپنی اولاد کو خواستہ یا ناخواستہ یہ علوم پڑھانے پر مجبور ہے اور ان علوم وفنون کا نتیجہ مادہ پرستی کا بڑھتا ہوا سیلاب ہے، جنس اور پیٹ کو معبود بنانا ہے اور ساری پاکیزہ اقدار سے دستبرداری ہے۔

جب مادی زندگی مقصود ہوجائے۔ اور افراد پر اس کا جنوں سوار ہوجائے تو ان حالات میں اہل تصوف اپنی ساری کوششوں کے باوجود افراد کے رخ کو موڑنے میں کامیاب ہوں، دشوار تر بات ہے۔

مادیت پرستی کی وبا کے بڑھنے کا دوسرا اہم سبب یہ ہے کہ عقلیت کی عالمگیر تحریک نے جو لٹریچر تخلیق دیا ہے، اس میں جدید تحقیق اور استدلال سے خدا، مذہب، وحی، روح اور پاکیزہ اقدار کو مسترد کر دیا گیا ہے، یورپ میں تیار شدہ عقلیت پر مشتمل یہ لٹریچر دنیا کی ہر زبان میں چھپ چکا ہے۔ مسلم معاشرہ کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس فکر کو ہضم کر چکا ہے۔ اس لئے وہ ذہنی طور پر مذہب اور مذہبی حقائق کے بارے میں بہت سارے اشکالات میں مبتلا ہوچکا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ مغرب کے ملحدانہ فکر کا اسیر ہوچکا ہے اور ان کا فکری غلام بن چکا ہے۔ ملحدانہ مغربی فکر سے ان کی ذہنی مرعوبیت کو ختم کرنے کے لئے ہمارے ہاں ایسا لٹریچر بہت کم تیار ہوا، جس میں خدا، مذہب اور وحی کی صداقت کے لئے خالص علمی وعقلی بنیادیں فراہم کی گئی ہوں، بالخصوص ہمارے علمائے کرام اور صوفیائے کرام سرے

سے اس طرح کے علمی، فکری، اور نظریاتی کام کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ وہ سرے سے اس کام کے ادراک سے ہی قاصر ہیں۔ چونکہ جدید نئی نسل سے ان کا براہ راست رابطہ نہ ہونے کے برابر ہے، اس لئے انہیں یہ اندازہ ہی نہیں ہے کہ جدید تعلیمی اداروں اور ملحد دانشوروں کی صحبت اور ملحدانہ فکر کے مطالعہ کے نتیجہ میں وہ کس ذہنی عذاب سے دوچار ہیں۔ جب انہیں اس بات کا ادراک ہی نہ ہو تو نئے علمی لٹریچر وفکر کے ذریعہ ان میں اس بحران سے نکالنے کا تحرک کیسے پیدا ہو؟

معاشرہ میں تصوف واہل تصوف کے بے اثر ہونے کا ایک سبب ہم جیسے صبر واستقامت سے محروم اور جلد سے جلد بزرگ بن جانے والے بے حوصلہ طالب بھی ہیں کہ وہ دوچار سال کے مجاہدوں سے بزرگی کی مسند پر فائز ہونے لگتے ہیں۔ چونکہ نفسی قوتیں غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر مطیع نہیں ہوتی اور سیرت وکردار میں پاکیزگی اور حب جاہ وحب مال سے بچاؤ کی صورتیں طویل عرصہ کے مجاہدوں کے بغیر پیدا نہیں ہوتی، اس لئے اس طرح کے جعلی صوفی تسخیری وظائف یا نظر پر محنت کی وجہ سے معاشرہ میں شہرت حاصل کرنے اور مریدوں کا حلقہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں، اس طرح وہ تصوف کے نام پر کردار میں رونق کی کمی اور بزرگانِ دین کے متعین کردہ اصولوں سے محرومی کی وجہ سے حقیقی تصوف کی بدنامی کا موجب بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم جیسے تصوف کے دعویداروں کو سمجھ اور ہدایت نصیب فرمائے کہ ہم امت کے اس پاکیزہ ادارہ کو شہرت ودولت کے حصول کے لئے استعمال کرنے سے احتراز کریں۔

۲۴۔ توجہ وتسخیری وظائف کا انبیاء کرام اور صحابہ کرام میں موجود نہ ہونا

تصرف، توجہ، تسخیری وظائف اور نظر سے لوگوں کے دلوں میں تہلکہ برپا کرنا وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں، جو انبیاء کرام اور صحابہ کرام میں ہمیں نظر نہیں آتی، صحابہ کرام میں تو کشف، القا اور دوسری دنیا کے مشاہدات کے واقعات بھی زیادہ نہیں ملتے، اگر یہ چیزیں دعوتی کام کے لئے ضروری اور مفید ہوتیں تو سب سے پہلے ان کا استعمال انبیاء کرام کرتے اور صحابہ کرام بھی یہ چیزیں ضرور اختیار کرتے۔

جو چیزیں اللہ کے سب سے محبوب بندوں نے اختیار نہیں کی۔ ان چیزوں کو

مریدوں میں اضافہ، بزرگی کے مقاصد کے لئے استعمال کرنا کیسے روا ہوسکتا ہے؟ اگر افراد سے جزوی طور پر ازخود یہ چیزیں صادر ہوجائیں تو یہ دوسری بات ہے، لیکن ان چیزوں کو مقصود کے درجہ میں شامل کرنا اور انہیں اپنی شخصیت کے شان ومان اور دولت میں اضافہ کے لئے اختیار کرنا بڑے خطرہ کی بات ہے۔ اس طرح کی شخصیتیں اکثر ابتلا وآزمائش میں مبتلا کردی جاتی ہیں۔

۲۵۔ اہل علم اور صاحبزدگان کی اصلاح کا زیادہ مشکل ہونا

علمی مزاج کے حامل افراد کی اصلاح کا عمل کتنا مشکل ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے ایک دوست جو ملک کے ممتاز اہل علم ہیں۔ تنقیدی تحریر موصوف کا اصل موضوع ہے۔ موصوف کو شوق پیدا ہوکہ علمی تنقید کے سلسلہ کو موقوف کرکے، اور ذکر وفکر کے ذریعہ اپنی اصلاح کے عمل میں پیش قدمی کی جائے، چنانچہ موصوف نے دس سال تک لکھنے کا سلسلہ بند کر دیا اور ذکر وفکر کا سلسلہ شروع کر دیا (لیکن یہ سارا کام انہوں نے اپنے طور پر کیا، اپنے مربی سے نہ تو مشورہ کیا اور نہ ہی دس سال کے دوران ان کی صحبت اختیار کی، نہ رابطہ رکھا، ان کا یہ عمل خود رائی کا حصہ ہے)۔ دس سال کے بعد انہوں نے پھر علمی تنقید کا سلسلہ شروع کیا۔ اب کی بار ان کی تنقید میں دردمندی اور جذبہ اصلاح اور تنقید میں شائستگی کا انداز تو غالب ہے، تاہم تحریر میں جگہ جگہ خودنمائی، خود پسندی اور دعویٰ کے اثرات موجود ہیں۔ موصوف سے جب اس کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے اس کا اعتراف کیا، دس سال کے مجاہدوں کے باوجود ان کی قابل ذکر حد تک اصلاح نہ ہونے کا بڑا سبب صاحبانِ دل کی صحبت سے محرومی تھی، اگر وہ ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ساتھ صحبت کو بھی ترجیح دیتے تو صحبت سے انوار کی منتقلی زیادہ بہتر طور پر ہوتی۔

اہل علم ہی نہیں، صاحبزدگان کی اصلاح کا عمل بھی عام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ مشکل اور صبر آزما ہے، عام افراد کی اصلاح دس پندرہ سال کے ذکروفکر اور صحبت سے بہتر طور پر ہوسکتی ہے، لیکن صاحبزدگان میں عام طور پر صاحبزدگی کے اثرات اور باپ دادا کے مریدوں کی طرف سے ہر وقت آداب کی بجا آوری کی وجہ سے ان کی نفسیات میں زیادہ

پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور ان کی دعویٰ کی بیماری میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ ان میں عاجزی، انکساری اور نفیٔ ذات بڑی مشکل سے پیدا ہوتی ہے۔

۲۶۔ خلافت کی طلب کا اپنے ساتھ آزمائشوں کا لانا

راہ سلوک ومحبت دراصل نفس کو آخری حد تک پامال کرنے اور ہر چیز سے دستبردار ہونے کی راہ ہے، اس راہ میں بزرگی چاہنا اور خلافت کی طلب کا ہونا، اپنے آپ کو آزمائشوں میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس دور کے ایک بڑے مشہور بزرگ کا واقعہ ہے کہ موصوف اپنے ابتدائی دور میں ایک ممتاز بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے ہاں چلہ بھی کاٹا، ان بزرگ سے انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ تصوف کے لئے بڑے پیمانہ پر کام کرنا چاہتے ہیں، انہیں خلافت مرحمت فرمائیں۔ بزرگ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں تو راہ سلوک کا پورا سفر ہے اور اسباق کا پورا نظام ہے، جس کے ذریعہ نفس کی فنائیت کے مراحل طے ہوتے ہیں، ان اسباق پر مجاہدے کرکے فنائیت کے مراحل طے کئے بغیر ہمارے ہاں خلافت عطا کرنے کی روایت ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد موصوف ایک اور بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان بزرگ سے بھی یہی عرض کیا، ان بزرگ پر معاشرہ میں دعوتی کام کرنے کے پہلو کا غلبہ تھا، موصوف نے انہیں خلافت عطا فرمادی، چونکہ موصوف غیرمعمولی ذہنی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ چنانچہ خلافت ملتے ہی انہوں نے کام شروع کیا، ان کی کوششوں کے نتیجہ میں ان کے بہت زیادہ مرید ہوئے اور بہت زیادہ دولت جمع ہوئی، شہرت بھی حاصل ہوئی، اور موصوف اس دور کے بڑے بزرگوں میں شامل ہوئے، لیکن آں موصوف بعد میں آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ سبب یہ ہے کہ خلافت مانگنا، اس بات کی علامت ہے کہ نفس کی فنائیت کے مراحل طے نہیں ہوئے، فنائیت کے بغیر نفسی قوتوں سے پوری طرح آشنا ہونا اور اور ان سے بچنا مشکل ہے۔ یہی نفسی قوتیں بالآخر فرد کی آزمائش کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فریب نفس اور اس کے نتیجہ میں آنے والی آفتوں وآزمائشوں سے بچائے، اس لئے کہ ہم محبوب کی آزمائشوں اور معمولی عتاب کے بھی متحمل نہیں، ان بزرگ اور ہم سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص اور آسانی کا معاملہ فرمائے۔ (آمین)

۲۷۔ آخر تصوف واحسان کی ضرورت کیوں؟ سوال کا جواب

جدید ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آخر تصوف واحسان کی ضرورت ہی کیوں ہے؟

اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ فطرت سلیمہ کی عدم حفاظت کی وجہ سے عام طور پر ہر فرد نفس کی سطح پر جیتا ہے، وہ دل وروحانیت کی سطح پر پہنچنے نہیں پاتا، اور نفس کی برپا کردہ طوفانی لہروں، تھپیروں اور لپیٹوں میں اس طرح زیر وزبر رہتا ہے کہ اس سے بلند ہونے اور سوچنے کی اس کی استعداد بُری طرح متاثر ہوجاتی ہے۔ نفس کی یہی قوتیں اسے دل وروح تک پہنچنے نہیں دیتی، اور دل وروح اور نفس کے درمیاں شدید حجابات پیدا کردیتی ہیں، کسی صاحب دل سے محبت کا تعلق قائم کرنے سے فرد وافراد کے دل میں ایک نئی زندگی کی رَودوڑنے لگتی ہیں۔ اور اس پر نئے حقائق ومعارف آشکار ہونے لگتے ہیں، جس سے اس کی زندگی میں حلاوت، تسکین، سلیقۂ انسانیت اور ضبط نفس کی صفات پیدا ہونے لگتی ہیں۔

نفس کی سطح سے بلند ہوکر، دل اور روح کی سطح تک پہنچنے کا عمل اتنا مشکل ہے کہ بہت کم افراد ہوتے ہیں، جو اس سعادت سے بہرہ ور ہوسکیں، عام طور پر یہ سعادت صاحبان دل واہل اللہ کی صحبت ومعیت سے ہی حاصل ہوتی ہے، اور اس کے سارے ارتقائی مراحل بھی صحبت وذکر کے ذریعہ ہی طے ہوتے ہیں۔ ویسے بھی دنیا کے سارے علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کا طریقہ ان علوم کے ماہرین کی صحبت ہی ہوتی ہے۔ تزکیہ کا عمل جس سے سعادت دارین حاصل ہے، وہ آخر اپنے طور پر کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔

۲۸۔ نجات کے لئے تزکیہ کا شرط ہونا

قرآن نے نجات کے لئے تزکیہ کو ضروری قرار دیا ہے **قد افلح من تزکیٰ** تزکیہ کے بغیر فرد شدید خطرہ سے دوچار ہے۔ اللہ کے عتاب اور عذاب کے خطرہ سے۔

جہاں تک عام فرد کے تزکیہ کی بات ہے تو ان کا تزکیہ زیادہ مشکل نہیں ہے، اس لئے کہ نفس کی قوتوں کو شہ زور بنانے کے لئے ان کے پاس وسائل نہیں ہیں، وہ اگر ہمت

وحوصلہ سے کام لیں گے تو انشاء اللہ ان کی بہتر طور پر اصلاح ہوتی جائے گی، لیکن منصب پر فائز افراد کی اصلاح کا کام بہت زیادہ دشوار ہے۔

ان کے لئے عرصہ تک اہل اللہ کی صحبت اور ذکر وفکر کے مجاہدوں کے بغیر چارہ کار نہیں۔ ایسے افراد میں حکمرانی وافسری کے منصب پر فائز افراد، علم کے منصب پر فائز افراد، مال ودولت سے بہرہ ور افراد اور خود بزرگی کی دعویٰ کی بنا پر بزرگی کے منصب پر فائز افراد وغیرہ شامل ہیں۔

اس طرح کے افراد کی دعویٰ کی وجہ سے عام طور پر ان کی بڑے پن اور برتری کی نفسیات پختہ ہوچکی ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کی تحقیر کی نفسیات کے حامل ہوتے ہیں۔

یہی نفسیات ان کے لئے معاشرہ میں فساد برپا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور ان کے تزکیہ کی راہ میں شدید حائل ہوتی ہے۔ بعض بزرگوں نے اپنی کتابوں میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ (صدیوں پہلے) بزرگوں کے ہاں معمول تھا کہ کسی بھی فرد کو دس سال کے شب وروز کے مجاہدوں سے پہلے خلافت کے منصب پر فائز نہیں کرتے تھے، اس اعتبار سے کدورتوں اور ظلمات سے سرشار موجودہ دور میں خلافت کی مسند فرمانے کے لئے شب وروز کے بیس سال کے مجاہدے بھی ناکافی سمجھے جائیں گے۔

تزکیہ کے سلسلہ میں یہ نکتہ واضح ہونا بھی ضروری ہے کہ فرد کا اتنا تزکیہ ہونا ناگزیر ہے، جس سے اس کے اندر کا مفتی اتنا طاقتور ہوجائے، جو اسے زندگی کے ہر موڑ پر باطنی امراض کے سلسلہ میں فتویٰ دے سکے اور منکر سے بچاؤ کے سلسلہ میں اس کے اندر میں تہلکہ برپا کرسکے۔

۲۹۔ اہل اللہ سے اعراض اور اس کے اثرات ونتائج

عہد جدید میں امت کے ساتھ ایک بڑا المیہ یہ ہوا ہے کہ امت کے ذہین، متحرک، باصلاحیت اور علوم وفنون سے وابستہ اسلام دوست افراد اول تو اصلاح نفس کے کام کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں۔ جو اس طرف متوجہ بھی ہیں، وہ تزکیہ کے لئے کتابی علم ہی کو حرف آخر سمجھتے ہیں اور وہ دل وروح کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کرکے، نفسی قوتوں پر ان لطیف قوتوں کو غالب کرنے کے لئے صاحبانِ تزکیہ، صاحبانِ دل، اللہ کی محبت کے

رازدانوں، علمائے ربانیین اور مربیوں ومزکیوں کی صحبت کی اہمیت وافادیت کے نہ صرف قائل نہیں، بلکہ ان کے نفی کے حامل ہیں۔

اہل اللہ سے اعراض کی یہ روش دراصل جدید مغربی علوم اور مغربی فکر وفلسفہ اور اس کی تہذیب کے اثرات ہیں، جس کے تحت دل وروح کے نورانیٔ الاصل ہونے کا انکار ہے اور سیکھنے سمجھنے اور احساسات وجذبات کو صحیح رخ دینے اور تربیت کے لئے عقل، استدلال اور ظاہری علم وغیرہ کو کافی وشافی سمجھنے کی نفسیات غالب ہے۔

یہ روش ایک تو قرآن وسنت کی تزکیہ کے حوالہ سے تعلیمات کے منافی ہے، قرآن تزکیہ کا عمل شخصیت کی طرف منسوب کرتا ہے، نہ کہ کتاب کی طرف۔ قرآن سیدھے راستہ کی طلب کے جواب میں کتاب کی بجائے انعام یافتہ لوگوں کی راہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ (انعمت علیہم)

دوم یہ کہ اس روش سے اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ادارے، جماعتیں وتنظیمیں اپنے تمام تر وسائل اور صلاحیتوں کے بھرپور استعمال کے باوجود باطنی خرابیوں اور نفسی رزائل کی وجہ سے امت کی حالت کو بدلنے کے سلسلہ میں بے اثر ثابت ہوئیں، اس لئے کہ اہل اللہ کی صحبت سے تزکیہ کے عمل سے گزرے بغیر نفسوں میں فساد موجود ہوتا ہے، اداروں کی تشکیل اور باہم مل کر کام کرنے کے نتیجہ میں یہ فساد پوری قوت سے سامنے آتا ہے انا، انا سے ٹکراتی ہے۔ مفادات کی جنگ برپا ہونے لگتی ہے۔ حرص وہوس کے جذبات کارفرما ہونے لگتے ہیں۔ اس طرح ایک ادارے سے کئی ادارے اور ایک جماعت سے کئی جماعتیں قائم ہونے لگتی ہیں۔ اور ان اداروں وجماعتوں کا اصل ہدف باطل کے خلاف جدوجہد سے زیادہ ایک دوسرے کی قوت کو کمزور کرنے اور اپنی جماعت کو مستحکم کرنا ہوتا ہے۔ اپنی جماعت واپنے ادارہ کا استحکام بھی خالص دین کی خاطر مطلوب نہیں ہوتا، بلکہ اس لئے مطلوب ہوتا ہے، تاکہ اپنے ذاتی مفادات محفوظ رہیں۔ عزت وشہرت حاصل ہوتی رہے اور جماعت سے وابستگی کے نتیجہ میں مالی مراعات حاصل ہوتی رہیں۔ اگر مالی مراعات حاصل نہ بھی ہوں تو جماعت سے ذاتی وابستگی کی وجہ سے انا کے استحکام کی صورت پیدا ہوتی رہے۔

امت کا تسلسل یہی ہے کہ اخلاص، بے نفسی، اور للھیت سیکھنے اور ایمان ویقین کی

کیفیات کے عمل میں استحکام اور شخصیت کے باطن میں موجود گندگی کے ڈھیر کی صفائی مزکیوں ومربیوں اور علمائے ربانین کی صحبت سے ہی ہوتی رہی ہے۔ امت کی ذہین ومحترک شخصیات کی ایک بڑی تعداد ہر دور میں اس مقصد کے لئے اہل اللہ کی طرف رجوع ہوتی رہی ہے۔ جس کی وجہ سے ہر دور میں معاشرہ کے ذہین وباصلاحیت ومتحرک افراد بہتر روحانی صلاحیتوں کی وجہ سے امت میں جوڑ پیدا کرنے اور لادین قوتوں کے خلاف معاشرہ کو مستحکم کرنے کا کردار ادا کرتے رہے اور امت کے لئے ہر اعتبار سے باعث خیر وبرکت ثابت رہے، اگرچہ ہر دور میں خودرائی کے حامل ذہین افراد بھی موجود رہے، جو ظاہری علم سے مالا مال تھے، لیکن تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ تزکیہ سے محرومی کی وجہ سے علم وخدمت دین کے نام پر معاشرہ میں تفرقہ پیدا کرنے کا موجب بنتے رہے۔

امت کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ علمی وذہنی صلاحیتوں کی حامل شخصیتوں نے اجتماعی طور پر اہل اللہ سے اعراض (دوری) کی روش اختیار کی ہے اور خودرائی کے ذریعہ صالحیت اور دعوتی کام کے مقام پر فائز ہوئی ہے، جس کا نتیجہ سامنے ہے کہ داخلی وخارجی فساد کی قوتوں کی روک تھام کی صورتیں مسدود ہوگئی ہیں۔

دینی اداروں وتنظیموں کی روحانی اجزاء سے بے بہری کا سب سے نقصان دہ پہلو یہ ہے کہ معاشرہ میں جدیدیت کے حوالے سے جو فکری اور تہذیبی سیلاب آیا ہے، اس کے سامنے بند باندھنے کے لئے فکری اور روحانی طور پر طاقتور افراد تیار نہ ہوسکے، اس طرح ہمارا معاشرہ محلّہ کی سطح سے لے کر قومی سطح تک مادیت پرستی کا منظر پیش کرتا رہا۔ معاشرہ کو سنبھالنے اور سہارنے کے لئے روحانیت کے حامل باصلاحیت افراد تیار نہ ہوسکے۔

حقیقت یہ ہے کہ تزکیہ کے لئے امت کے تسلسل سے اعراض کی روش نے معاشرہ کو سیرت وکردار کی پاکیزگی کی حامل دردمند وحساس شخصیتوں کی پیدائش کے عمل کو سخت متاثر کیا ہے۔ اس اعتبار سے معاشرہ بانجھ ہوگیا ہے۔ دیہات سے لے کر شہروں تک ایسی شخصیات خال خال نظر آتی ہیں، جو اخلاص ویقین کی دولت سے بہرہ وری کے ساتھ امت کو جدیدیت کی طوفان خیزی سے بچانے کے لئے متحرک ہوں اور اس سلسلہ میں اپنی ساری صلاحیتوں کے ساتھ مصروف ہوں۔

جب معاشرہ کے ذہین وباصلاحیت ومتحرک افراد تزکیہ سے محروم ہوں تو معاشروں کا

یہی حشر ہوتا ہے، جو اس وقت ہمارا ہوا ہے۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں سو ڈیڑھ سو سال سے ہونے والے تجربات سے سیکھنے وسمجھنے کی کوئی صورت ہی پیدا نہیں ہورہی ہے۔

دین کے نام پر قائم اداروں وتنظیموں کا کام پھر بھی غنیمت ہے کہ معاشرہ کے ایک طبقہ کو ظاہری طور پر دین پر قائم رکھنے اور جماعتی ماحول کے حصار کی وجہ سے انہیں کسی حدتک معاشرہ کے اثرات سے بچانے کا انتظام موجود ہے، لیکن افراد معاشرہ کی وہ بڑی تعداد جو جدید تعلیمی اداروں سے نکل کر دینی واخلاقی اقدار سے بے بہرہ ہوکر، محض دنیاوی زندگی کے مستقبل کو مقصود بنانے کی راہ پر گامزن ہے، ان کی اصلاح کی تو کوئی صورت ہی موجود نہیں ہے۔ ہاں اس سلسلہ میں تبلیغ جماعت اور توجہ کی صلاحیتوں کے حامل بزرگ خاصا کام کررہے ہیں۔ ان کا کام ایک اعتبار سے قابل قدر اور لائق تعریف ہے۔

۳۰۔ اہل تصوف جدید انسان سے کیا چاہتا ہے؟

اگر مختصر الفاظ میں یہ پوچھا جائے کہ تصوف (جو اسلام کا باطنی شعبہ وحصہ ہے) وہ عہد جدید کے انسان (مسلمان) سے کیا چاہتا ہے، اور اس سے اس کے تقاضے کیا ہیں۔ تو اس طرح کہا جا سکتا ہے۔

- اپنی اصلاح کے کام کو اولین اور فیصلہ کن اہمیت دی جائے۔
- باطن میں موجود مگرمچھ جو ہر فرد کو نگلنے کے لئے تیار ہیں، ان سے نہ صرف بچنے کا خصوصی اہتمام کیا جائے، بلکہ ذکر وفکر اور صحبت اہل اللہ سے ان پر ضرب کاری لگا کر انہیں فنا کیا جائے۔
- اپنی ذات اور معاشرہ کے لئے بہتر، مفید بلکہ باعث رحمت ثابت ہوا جائے۔
- دنیا کی زندگی کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دی جائے اور ہر وقت آخرت کا استحضار قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔
- اللہ کے ذکر سے دلوں کو منور، آباد اور شاداب کیا جائے۔
- مغرب کی طرف سے اٹھنے والے مادیت پرستی کے طوفان کو اپنے لئے سب سے بڑا چیلنج سمجھا جائے اور مادہ پرستی کے سیلاب کے حالات میں رہنے کے باوجود اس

سیلاب میں بہنے سے ہر ممکن حد تک بچنے کی کاوش کی جائے۔

- اپنی اولاد کے دنیاوی مستقبل سے زیادہ ان کی آخرت کے مستقبل کی فکر کی جائے اور انہیں جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے مضطرب ہوا جائے۔ دنیا کی ان کی زندگی تو جیسے تیسے گذر جائے گی۔ اللہ انہیں روزی اور مکان سے محروم نہ کرے گا، لیکن آخرت کی ابدی زندگی کا خسارہ ایسا ہے، جس کی سب سے زیادہ فکر دامنگیر ہونا ضروری ہے۔
- اسلام کو درپیش چیلنج سے مقابلہ کے سلسلہ میں اپنے حصہ کا کردار ادا کرنے کی فکر کی جائے اور اس سلسلہ میں معاشرہ میں ہونے والے دینی کاموں سے دامے درمے سخنے تعاون کیا جائے۔
- حمیت دین کا مظاہرہ کیا جائے۔ اور کفر وباطل کی ہر صورت سے نفرت، کراہت اور بیزاری کا اظہار کیا جائے، اگر اس کے قلع قمع کی قوت حاصل نہیں تو کم از کم دل میں اسے بُرا سمجھا جائے، یہ ایمان کی کم سے کم صورت ہے۔
- جس علاقہ اور جس ملک میں ایمان کو خطرات درپیش ہوں، اس علاقہ سے ہجرت کرکے ایسے علاقہ میں آباد ہوا جائے، جہاں صالح انسانوں کی صحبت سے ایمان کی آبیاری ہوتی رہے اور اسلام میں ارتقا کی صورت پیدا ہوتی رہے۔ قرآن میں ایک جگہ ایسے افراد کا ذکر ہے، جو ایمان کے تحفظ کے لئے ہجرت پر آمادہ نہیں، ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ موت کے وقت فرشتے ان کو مارتے رہتے ہیں کہ تم نے آخر تحفظ ایمان کے لئے ہجرت کیوں نہیں کی؟ قرآن کی یہ آیت ہمارے لئے انتباہ کی حیثیت رکھتی ہے۔
- دنیا بھر کے مسلمانوں کے مصائب ومسائل کو اپنے مسائل سمجھا جائے اور ان کی پریشانیوں پر دل میں چوٹ محسوس کی جائے۔ حدیث شریف ہے کہ جسے مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی نہیں ہے، وہ ہم میں سے نہیں۔
- دور جدید کے ملحدانہ وکافرانہ نظریات جو تعلیم وابلاغ کے ذرائع اور عالمی شاہوکار کے منظّم کردہ دانشوروں کے ذریعہ عام ہورہے ہیں، انہیں سمجھکر ان سے بچنے کی کوشش کی جائے، بالخصوص سیکولرزم جو اس دور کا سب سے طاقتور فتنہ ہے، اس کی سنگینی کو سمجھا جائے۔ سیکولرزم کا مطلب یہ ہے کہ کاروبار، معیشت، معاشرت، تعلیم اور پوری اجتماعی زندگی سے اسلامی تعلیمات کو نکال کر اپنے اسلام کو عبادت کے رسمی مظاہر اور ذکر وفکر تک محدود رکھا

جائے۔ اس فتنہ کی سنگینی کو سمجھنا ضروری ہے۔

- کل دنیاوی زندگی (جو چند لمحات سے زیادہ نہیں ہے) اسے صبر، شکر، قناعت، تسلیم ورضا، توکل اور زہد کے ساتھ گذارنے کا سلیقہ پیدا کیا جائے۔
- ہم اپنی اولاد کی دنیاوی تعلیم اور ان کے دنیا کے مستقبل کے لئے پوری منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ان کی آخرت کی زندگی کو کامیاب وخوشگوار بنانے کے لئے بھی منصوبہ بندی کریں۔
- اسلامی تعلیم اور اسلامی غلبہ کے کام کو اپنے ذاتی کاموں کی طرح اہمیت دی جائے، اگرچہ یہ کام اس سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

تصوف کے یہی وہ خدوخال اور نقوش تھے، جو صدیوں سے بزرگان دین اور ان کے تربیت یافتہ افراد کی زندگیوں میں ہمیں نظر آتے ہیں، آج بھی حقیقی اہل اللہ کی زندگی کے یہی نقوش وخطوط ہیں۔ مادہ پرستی کے بڑھتے ہوئے طوفان اور ہر جگہ مادیت کے غیر معمولی مظاہر نے ہماری آنکھوں کو مادی زندگی کی رونق سے دو چند کر دیا ہے، جس کی وجہ سے ہمیں فقیر منش اور حقیقی اہل اللہ کی زندگی کے یہ مناظر ومظاہر نظر نہیں آتے۔

یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو اللہ سے والہانہ محبت کی دنیا میں شامل ہو کر نفسی قوتوں کو آتش عشق میں جلانے اور ذہنی اور فکری طور پر صحتمند فکر کے حامل ہونے سے تعلق رکھتی ہیں۔ دل وذہن کی صلاحیتوں کو بیدار کئے بغیر دور جدید کے مذکورہ فتنوں سے بچکر ایمان واسلام پر قائم رہنا کار دارد ہے۔ تصوف واحسان ان ساری چیزوں سے بحث کرتے ہیں۔ اور وہ فرد وافراد کے دل کی دنیا کو بدل کر، انہیں اللہ ورسول اور اس کی تعلیمات واحکامات پر عمل پیرا ہونے کے سلسلہ میں بے چین کر دیتا ہے۔ اور دل، ہر وقت محبوب حقیقی کی طرف اٹکتا رہتا ہے اور اس کے عتاب سے کانپتا رہتا ہے اور اس کی رضامندی کے جذبات واحساسات سے سرشار رہتا ہے۔

تصوف واحسان کا اصل ہدف قلب سلیم کے حامل انسان کی تیاری ہے۔ **الیٰ من اتی اللہ بقلب سلیم** جو قلب سلیم لے کر آیا (اسی کے لئے نجات ہے)۔

۳۱۔ تصوف وراہ عشق کے کچھ اہم خطوط

تصوف، راہ سلوک اور راہ عشق ومحبت کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے۔

- راہ عشق ومحبت دراصل اللہ کی طرف دوڑنے کی راہ ہے، ففروا الی اللہ۔
- راہ عشق ومحبت، دین وایمان کا بنیادی تقاضا ہے **والذین آمنوا اشد حب اللہ** (مومن) اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں)۔
- راہ عشق ومحبت نفسی قوتوں کو پامال کرکے، اللہ ورسول کی اطاعت میں دیدینے کی راہ ہے، **ولاتتبعوا الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید.** (خواہشات کی پیروری نہ کرنا وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکادے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے گمراہی اختیار کرتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب (تیار) ہے۔
- راہ محبت، خود بینی، وخود پسندی اور خودرائی سے بچکر خود احتسابی کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت آتش عشق میں جل کر اپنی ذات کی اصلیت کے فہم اور اس کی معرفت کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت، محبوب حقیقی کی شان عظمت کی جھلکیوں کے مشاہدہ کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت، نفس کے سارے حجابات سے بلند ہو کر، محبوب حقیقی کو دل کی گہرائیوں میں موجزن کرنے اور اس کے لئے اپنی ہر چیز فنا کرنے کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت، اللہ کے بندوں سے بے غرضانہ طور پر محبت کرنے کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت، محبوب کے انوار کے اخذ اور روح کی پرواز کی بلندی کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت، اسلامی شریعت پر اخلاص واستقامت اور مستقل مزاجی سے چلنے کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت تخلقوا باخلاق اللہ، اللہ کے اخلاق اختیار کرنے کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت، نفس، روح، دل ودماغ کی اہمیت، ان کی حدود، باہم ایک دوسرے سے ان کے تعلق کی نوعیت کے فہم اور ان ساری قوتوں کو محبوب حقیقی کے لئے بہتر طور پر استعمال کرنے کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت، قول وعمل کے تضاد سے بچکر صاحب حال بننے کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت، محبوب حقیقی کے ساتھ معیت میں رہنے اور ان کے قرب ووصال کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت، محبوب کے لئے مجاہدوں اور سراپا مجاہدوں کی راہ ہے۔

- راہ عشق ومحبت، دعویٰ سے بچکر فنائیت، عاجزی اور محبوب حقیقی کے سامنے آہ وزاری اختیار کرنے کی راہ ہے۔
- راہ عشق ومحبت بڑے گناہ سے لے کر چھوٹے گناہ تک اندر کے مفتی کی بیداری کی صلاحیت کو تیز کرنے کی راہ ہے۔

جو راہ، دین ودنیا کی جملہ سعادتوں وبھلائیوں اور حقیقی انسانیت کی راہ ہو، اس راہ سے دوری بلکہ بغاوت کی روش کا نتیجہ ہے کہ آج انسانیت قابل رحم حالت سے دوچار ہے اور ایک دوسرے سے صف آرائی کی حالت میں ہے۔

اس کا اہم سبب خود بینی وخود رائی ہے۔ خود رائی کی وجہ سے افراد، انانیت کے مرض کا شکار ہیں، اور اہل اللہ کے سامنے خود سپردگی اختیار کرکے، ان سے عشق ومحبت کے اجزاء کے حصول وبہرہ وری کے لئے تیار نہیں۔

جدیدیت کی عالمگیر وبانے بھی انانیت وخودسری کے اس مرض کو فروغ پذیر ہونے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اپنے علم اور اپنی ذہانت پر غیرمعمولی خود اعتمادی اور فخر پیدا کردیا ہے۔ اس طرح اہل اللہ سے بے نیازی کی روش نے عشق ومحبت سے دور کرکے، افراد معاشرہ کو اخلاقی وروحانی بیماریوں کے نہ ختم ہونے والی صورتحال سے دوچار کردیا ہے۔

۳۲۔ اللہ کی محبت سے دوری کے حامل افراد کا قابل رحم ہونا

اہل تصوف واہل احسان کی نظر میں وہ افراد، جو اللہ کی محبت سے دور ہیں اور اپنے اندر کی وسیع دنیا میں غوطہ زنی سے محروم ہیں، وہ از حد قابل رحم ہیں، اس لئے کہ ایسے افراد، انسانی شخصیت کے ظاہر کو سمجھتے اور جانتے ہیں، انسان کے باطن میں موجود وسیع تر دنیا اور انسان کے بے پناہ جذبات واحساسات کی دنیا سے ناآشنا ہیں، اس ناآشنائی کی وجہ سے وہ الفاظ کی ظاہری صورت اور عقل ہی کو عقل کل سمجھتے ہیں۔ اور انسانی شخصیت کے فہم کے سلسلہ میں حقیقت تک رسائی سے وہ قاصر رہتے ہیں اور وہ زندگی کے پیچیدہ تر مسائل کو ناقص مادی عقل اور ظاہری الفاظ کے ذریعہ سلجھانے کی کوششوں میں زندگی صرف کردیتے ہیں۔

اس طرح وہ انسانی نفسیات کی گہرائیوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے قدم قدم پر نئے نئے تجربات اور نئے نئے صدموں اور انسانی رویوں سے مایوسی کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

۳۳۔ راہ سلوک میں پیش آنے والے خطرات

راہ سلوک میں چلتے ہوئے عرصہ تک طالب کو نفسی قوتوں کا جو تلخ تجربہ ومشاہدہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ سلوک کے ہر موڑ پر نفس کی طرف سے یہ مطالبہ اور تقاضا سامنے آتا ہے کہ اب اسے بزرگی کے مقام پر فائز ہوکر پیری مریدی کا کام شروع کردینا چاہئے۔

سالک اگر مستحکم ارادہ کا مالک ہے اور اپنے مربی سے اس کا گہرا تعلق قائم ہے اور اپنے اندر میں ڈوبنے اور خوداحتسابی کا اس کا سلسلہ مستحکم ہے تو وہ نفس کے ان حربوں سے مطلع ہوکر، اس سے بچکر نکلنے اور اسے شکست دینے میں کامیاب ہوتا ہے، لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ بہت سارے افراد اس معاملہ میں نفسی قوتوں کے ہاتھوں شکست کھاکر، بزرگی کی راہ پر گامزن ہوگئے ہیں، اس طرح انہیں شہرت وناموری کے مواقع دینے کے ساتھ ساتھ مالداروں کے حوالے کرکے، اسی دنیا میں سزا دی جاتی ہے۔

یہ سب نتیجہ ہوتا ہے اپنی نفسی قوتوں کو آخری حد تک شکست دینے کے حوصلہ کی کمی اور استقامت سے راہ سلوک میں چلنے کے داعیہ کے فقدان کا، ایسے افراد کو اگر توجہ دینے کی استعداد بھی حاصل ہوتو وہ بزرگی کے روپ میں مزید ابتلا وآزمائش کا شکار ہوجاتے ہیں، اس لئے کہ توجہ ایک مادی نوعیت کا عمل ہے، اس کا حقیقی روحانیت سے تعلق نہیں ہے۔ نظر کو خاص چیز پر مرتکز کرنے کی مشقوں سے توجہ کی یہ صلاحیت حاصل ہوجاتی ہے اور عام افراد جو ذہنی صلاحیتوں یا اپنی ذاتی رائے اور ذاتی سوچ سے محروم ہوتے ہیں اور صاحب توجہ شخصیت کو روحانی طور پر حرف آخر سمجھتے ہیں، توجہ ان کی شخصیت پر غیرمعمولی طور پر اثر انداز ہوجاتی ہے، وہ توجہ سے الٹ پلٹ ہوجاتے ہیں اور اچھل کود شروع کردیتے ہیں۔ اور اسی کو وہ روحانیت کا معراج کمال سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ توجہ کی یہ صلاحیت غیرمسلموں بلکہ ہپناٹزم کی مشقوں کی حامل شخصیتوں کو بھی حاصل ہوتی ہے۔

توجہ دینے کی صلاحیت، نظر پر محنت سے ہوتی ہے، یہاں تک کہ نظر میں وہ چمک آجاتی ہے کہ فرد مسحور ہوجاتا ہے اور صاحب نظر شخصیت پر فدا ہوجاتا ہے۔

دراصل توجہ جیسی مشقوں کی صلاحیت سے شخصیت پرستی کے تصورات ابھرتے ہیں۔ اس عاجز کو متعدد اصحاب نے بتایا کہ فلاں بزرگ نے ہمیں کہا کہ تم میری آنکھوں کی طرف دیکھو، ہم نے ایسا کیا تو ہمیں ان کی نظروں نے مسحور کر دیا اور اس سے ہمیں جو حلاوت محسوس ہوئی، اس کا اثر اب بھی قائم ہے۔ اصل میں مادی مشقوں کے نتیجہ میں یہ نفسیاتی نوعیت کی حلاوت تھی، جس کے اثر کو وہ اب تک بھلا نہیں پائے۔

۳۴۔ محبت ومعرفت سے محرومی کی سزا

اللہ سے والہانہ محبت سے محرومی کی جو سزا فرد کو ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو سمجھنے نہیں پاتا، اپنے نفس کی معرفت سے قاصر رہتا ہے۔ اپنے اندر میں موجود غیر معمولی قوتوں وصلاحیتوں کے فہم سے محروم رہتا ہے، وہ عقل کی بھول بھلیوں میں رہ کر دل وروح کی صلاحیتوں اور ان کے تقاضوں ومطالبوں کو سمجھ نہیں پاتا۔ عقل، جو دل وروح کے مقابلہ میں جزوی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ جزوی عقل ہی کو سب کچھ سمجھکر زندگی کی ساری رہنمائی اسی عقل سے لینے لگتے ہیں۔ چونکہ ایمان واسلام کے حقائق، دل و روح ہی پر کھلتے ہیں، دل وروح پھر ان حقائق کو عقل کی طرف منتقل کرتے ہیں، اس لئے دل وروح کی صلاحیتوں سے محروم عقل کو رہنما بنانے والے افراد زندگی کے دوراہے پر حیران وپریشان رہتے ہیں۔

اس دنیا میں اللہ کا سب سے بڑا انعام جو ساری سعادتوں کا حاصل ہے، وہ صحت فکر اور صحت عمل ہے، یہ اللہ کے فضل خاص ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں اللہ کا جو متعین کردہ اصول معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ دونوں نعمتیں اللہ کے انعام یافتہ افراد یعنی اہل اللہ کی صحبت سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔

اس لئے قرآن نے سیدھے راستے کی طلب کے جواب میں صراط الذین انعمت علیہم فرمایا گیا۔

فرد کو علم اور ذہانت کا جتنا بھی وافر ذخیرہ حاصل ہو، لیکن اگر اہل اللہ کی صحبت حاصل نہیں تو نفس کے مکر وفریب کے حربے، دعویٰ اور ریا جیسی لہریں فرد کی ذہانت اور علم میں طوفان برپا کردیتی ہیں اور ان کی ذہانت وعلم وفکری رخ کو اجماع امت اور علمائے ربانیین کی فکر سے متضاد کرکے، فرد کو کجیٔ فکر اور کجیٔ عمل کی راہ پر ڈال دیتی ہے، یہ ایسا

تجربہ ہے جو ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔

اس دور میں بھی بہت ساری ذہین وعلمی شخصیتیں علمائے ربانیین کی تحقیر کی وجہ سے صحت فکر سے محروم ہوکر، اسلام کے نام پر غلط فکر کے فروغ کا ذریعہ بن گئیں، اس طرح صدیوں کے صحیح اسلامی فکر کے تسلسل کو متاثر کرنے اور نقصان رسانے کا موجب بن گئیں۔

ایسا کیوں ہے، اس کا اہم سبب جو معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ انسانی نفسیات میں ایک ایسا ہمہ گیر بگاڑ اور فساد موجود ہے کہ اس فساد کی اصلاح اور تزکیہ کے خصوصی اہتمام کے بغیر فرد پر اس کی ذہانت اور غیر معمولی علمی صلاحیت حملہ آور ہوکر، اسے معاصر شخصیتوں سے ممتاز بننے کی راہ پر لگادیتی ہے۔

اس طرح وہ سلف سے ہٹ کر نئی فکر دے کر اپنے معتقدوں وپیروکاروں کا ایک نیا گروہ بنانے اور امت میں تقسیم کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

بعض اوقات بڑے اخلاص کے ساتھ یا غیر شعوری طور پر اہل اللہ سے جداگانہ راہ اختیار کی جاتی ہے یا وقت کے چیلنج سے متاثر ہوکر خدمت اسلام کے جذبہ سے ایسا کیا جاتا ہے، لیکن اس کا نتیجہ نئی اسلامی فکر کو متعارف کرانے اور امت میں نئے گروہ کو سامنے لانے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اہل اللہ جو نفسانی قوتوں کو فنا کرکے، نفس کے سارے حربوں سے واقف ہوتے ہیں اور جو سلف صالحین کی قرآن وسنت کی صحیح اسلامی تشریح کے عامل ہوتے ہیں، ان کی صحبت کے اثرات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ علم وذہانت کی حامل شخصیتوں کو کجیٔ فکر اور کجیٔ عمل سے بچاکر، صحت فکر وصحت عمل کی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔

یہ اللہ کی ایسی سنت ہے، جو ہمیشہ جاری وساری رہی ہے۔ اللہ کے اس اصول کی جو بھی خلاف ورزی کرے گا، وہ کجیٔ فکر کی صورت میں اس کا نتیجہ بھگتے بغیر نہیں رہ سکتا۔

المیہ یہ ہے کہ ذہین علمی شخصیات کجیٔ فکر کی یہ بُرائی اپنے علاوہ اپنے معتقدین میں بھی منتقل کرنے کا موجب بنتی ہیں۔ اس طرح محض اہل اللہ سے دوری اور ان کی تحقیر کے نتیجہ میں امت خلفشار سے دوچار ہونے لگتی ہے۔ کاش، اس اہم نکتہ کو سمجھنے کی کوشش ہو، بعض صوفیاء میں بھی کجیٔ فکر کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ یہی اثرات ان کے مریدوں میں بھی منتقل ہوجاتے ہیں۔ اس کے مختلف اسباب ہیں۔ ایک قرآن وسنت میں غوروفکر کا

فقدان، دوم اپنے ذاتی کشف والقا کو سند اور فیصلہ کن حیثیت دینا، اور اس کشف کو مریدوں میں عام کرنے کی کاوش کا ہونا، سوم حالت فنا تک رسائی سے پہلے بزرگی کی مسند پر فائز ہونا، شہرت کا حامل ہونا اور وقت سے پہلے مریدوں کا ملنا، چہارم مالداروں سے تعلقات مستحکم کرنے کے لئے مضطرب ہونا، پنجم خود احتسابی سے کام لینے میں سستی کا مظاہرہ کرنا، ششم سرسری طور پر سلوک طے کرنے کے بعد مزید مجاہدوں سے کام نہ لینا، ہفتم تسخیر قلوب کے لئے وظائف واوراد سے کام لینا، ہشتم زیادہ سے زیادہ مرید بنانے کی فکر کا غالب ہونا، اور اس پیری مریدی میں نفسانیت کی آمیزش کا شامل ہونا۔ نہم بزرگی کی مسند پر فائز ہونے کے بعد اپنے اپ کو کامل سمجھکر دوسرے اہل اللہ سے استفادہ میں بخل سے کام لینا یا دوسرے حقیقی اہل اللہ کو کسی اہمیت کا حامل نہ سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔

۳۵۔متوسط صوفی ومنتہی صوفی کے حالات کا موازنہ

یہاں متوسط صوفی ومنتہی صوفی کے حالات کا موازنہ کرنا بھی ضروری ہے۔
تاکہ دونوں کے حالات کو سمجھنے میں مدد ملے۔
متوسط صوفی کی کچھ علامتیں یہ ہیں۔

- وہ راہ سلوک میں چل رہا ہوتا ہے، اس لئے دنیاوی معاملات کے سلسلہ میں اس کا ذہن پوری طرح کام کرنے اور توجہ دینے سے قاصر ہوتا ہے۔
- متوسط صوفی حالت نیم مدہوشی میں ہوتا ہے۔ جہاں اسے محبوب کے ذکر وفکر، محبوب کی باتوں، بزرگوں کی کتابوں وملفوظات، صوفی شاعروں کے کلام، فرائض واجبات وسنن کے علاوہ دوسری چیزوں کی طرف سے نسیان غالب ہوتا ہے۔
- متوسط صوفی کا ذکر کے بغیر جو وقت گذرتا ہے، وہ اس کے لئے شدید اذیت کا موجب ہوتا ہے۔
- متوسط صوفی کی محبوب حقیقی کے ذکر کی پیاس بجھنے کا نام ہی نہیں لیتی، وہ جتنا بھی ذکر کرتا ہے، اس کی دل وروح کی پیاس اسی مناسبت سے بڑھتی رہتی ہے۔
- متوسط صوفی کی زندگی ذکر کی حلاوت وابستہ ہوتی ہے۔
- متوسط صوفی پر اللہ کے جلالی وجمالی صفات کے مسلسل عکسوں کے گرنے کی وجہ

سے اس کی حالت قابل رحم ہوتی ہے۔

- متوسط صوفی کو یہ ادراک نہیں ہوتا کہ وہ راہ سلوک میں چل بھی رہا ہے یا نہیں، جس طرح بچہ کو اپنے قد وقامت کے بڑھنے کا اندازہ نہیں ہوتا۔ لیکن اچانک ایک وقت آتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بالغ پن کی حالت میں پاتا ہے۔ یہی حال متوسط صوفی کے ساتھ ہوتا ہے۔
- متوسط صوفی کو حب جاہ وحب مال، حرص وہوس، بزرگ بننے کی آرزوئیں دوسروں کی تحقیر، اپنے مکاشفوں اور وخوابوں کے ذریعہ لوگوں پر اپنے بزرگ ہونے کی شہرت کے جذبات وقتاً فوقتاً پریشان کرتے رہتے ہیں۔ بالخصوص اس کا جو وقت ذکر کے بغیر گذرتا ہے، ان اوقات میں نفس کے یہ جذبات یا وسوسے اسے گھیر لیتے ہیں، وہ جوں ہی ذکر کے ماحول میں آتا ہے، نفس اس کے قابو میں آجاتا ہے، وہ ذکر اور ذکر کے ماحول سے منقطع ہونے کا متحمل نہیں ہوتا۔
- متوسط صوفی اکثر زیر وزبر رہتا ہے، اسے اپنے نفس کو سنبھالنا، اپنے آپ کو سنبھالنا اور روح اور دل کے جذباتِ محبت کی تسکین کرنا مشکل ہوتا ہے۔
- مکاشفوں اور بہتر خوابوں کے حامل متوسط صوفی کو اگر اس حالت میں کسی بزرگ سے خلافت حاصل ہوئی ہو تو اس صورت میں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی نفس کی اکساہٹ پر بزرگی کی راہ پر گامزن ہونے لگتا ہے، اس طرح مکاشفے متوسط صوفی کے لئے بہت بڑی آزمائش بن کر سامنے آتے ہیں۔
- متوسط صوفی کی ساری ترقی دو چیزوں سے وابستہ ہے، ایک مرشد ومربی کی صحبت دوم ذکر وفکر میں مداومت۔ اگر ان دونوں میں سے ایک چیز کی بھی کمی واقع ہوگی تو وہ خطرات سے دوچار ہوگا۔ بڑے بننے کے خطرات اسے گھیر لیں گے۔ اور اپنے مکاشفوں وخوابوں کو وہ اپنی بزرگی کے مقاصد کے لئے استعمال کئے بغیر رہ سکے، انتہائی مشکل ہے۔
- متوسط صوفی جب تک حالت فنا سے حالت بقا میں نہیں آتا، اس کا سفر مکمل نہیں ہوتا اور خطرات کی زد سے بچکر نکلنے میں اسے کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔
- متوسط صوفی پر حیرت درحیرت طاری ہوتی ہے۔ وہ وحدت وجودی کیفیات کے زیر اثر بھی آجاتا ہے۔

متوسط صوفی اپنے مکاشفات اور بہتر خوابوں کے اظہار وبیان کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ ورنہ وہ داخلی طور پر بے چینی سے دوچار ہوجاتا ہے۔

متوسط صوفی کے زیر وزبر ہونے کے انہی حالات کی وجہ سے اکثر بزرگ اسے خلافت دے کر آزمائش سے دوچار نہیں کرتے۔

منتہی صوفی کے حالات کچھ اس طرح ہوتے ہیں۔

- طویل عرصہ تک ذکر وفکر اور صحبت شیخ کے ذریعہ وہ زیر وزبر ہونے کے حالات سے گزر چکا ہوتا ہے۔
- وہ محبوب کے جلالی وجمالی صفات کے عکسوں سے بڑی حد تک محفوظ ہوجاتا ہے۔
- افراد سے ملنے اور ان سے روابط قائم کرنے سے اس پر بیزاری وکدورت کے احساسات غالب نہیں ہوتے۔
- اس کے ذکر وفکر کا دورانیہ اگر کم ہو کر گھنٹہ ڈیڑھ تک رہ جائے تو یہ اس کے لئے کافی ثابت ہوتا ہے۔ اس سے اسے تسکین وتشفی ہوجاتی ہے۔
- اگرچہ اس کا نفس اور نفس کی قوت موجود ہوتی ہے، لیکن اس کی روح اتنی طاقتور ہوجاتی ہے کہ اول تو وہ اسے سرکش ہونے نہیں دیتی، اگر کبھی کبھار سرکشی کے خیالات اس پر حملہ آور ہوتے بھی ہیں تو اس پر جلد ہی روح کی لطافت غالب آجاتی ہے۔
- منتہی صوفی کا اندر کا مفتی طاقتور ہوتا ہے۔ وہ اسے ہر گناہ پر شدت سے تنبیہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔
- منتہی صوفی کی بیشتر ترقی نماز، تلاوت قرآن اور اللہ کی مخلوق کی خدمت اور طالبوں کی تربیت کے کاموں سے ہوتی ہے۔

منتہی صوفی زہد، فقر، دنیا واہل دنیا سے استغنا کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، مالداروں سے قربت کی اس کی خواہشات دب جاتی ہیں۔ صبر وشکر، توکل، قناعت اور محض اللہ سے مانگنے کی اس کی نفسیات پختہ ہوجاتی ہے۔

- منتہی صوفی اللہ کے بندوں سے والہانہ محبت کرتا ہے، اور ان کے درد وغم کو اپنا درد وغم سمجھتا ہے۔

- منتہی صوفی بے داغ کردار کا حامل ہوتا ہے، اسے دیکھکر اللہ یاد آنے لگتا ہے۔
- منتہی صوفی معرفت، تقویٰ، خشیت وغیرہ میں مسلسل حالت ارتقا میں ہوتا ہے اور اس پر یہ احساس غالب ہوتا ہے کہ محبوب کی عبادت وذکر وفکر کے لئے جس فنائیت کا مظاہرہ ہونا چاہئے، اس کی طرف سے اس کا معمولی حق بھی ادا نہیں ہوا۔
- منتہی صوفی پر احساس فنائیت غالب ہوتی ہے۔ اپنی طرف کوئی بھی خوبی منسوب کرتے ہوئے وہ محبوب کے سامنے شرمندہ ہوتا ہے۔
- منتہی صوفی، اپنے مجاہدوں کو محض اللہ کا فضل خاص سمجھتا ہے کہ محض اس کے کرم سے نفس کا آگ کا سمندر طے ہوا، ورنہ ایسا ہونا محض اس کے مجاہدوں سے ممکن نہ تھا، مجاہدوں کی توفیق وسعادت بھی اسی نے عطا فرمائی۔
- منتہی صوفی اپنے مکاشفات ومشاہدات کو قابل ذکر ہی نہیں سمجھتا۔ ہاں، طالبوں کی حوصلہ افزائی کی خاطر کبھی بیان کردیا، لیکن اس کے اندر میں اس کی طلب نہیں ہوتی۔
- منتہی صوفی طویل عرصہ تک محبوب کے جلالی صفات کے عکسوں کے ذریعہ روزانہ موت کے سے حالات سے گذرتا رہا ہے، یعنی روزانہ مرنا اور روزانہ زندہ ہونا اس کے معمولات میں شامل رہا ہے، یعنی محبوب کے جلالی صفات کی عکس ریزی اس کے دل پر روزانہ قیامت برپا کرتی رہی ہے۔ ان حالات سے گذر کر ہی اسے حالت بقا نصیب ہوتی ہے۔

اس عاجز نے متوسط صوفی اور منتہی صوفی کے جو حالات بیان کئے ہیں، اس میں اپنے مشاہدات وحالات کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اپنی یہ خوش قسمتی کہاں؟ یہ سارے حالات بزرگوں کی کتابوں سے ماخوذ ہیں اور بعض بزرگوں کی قریبی صحبت کے نتیجہ میں ان کے یہ حالات مشاہد ہوئے ہیں۔

کاش منتہی صوفی کو ملنے والے ان انعامات میں سے کچھ حصہ ہم جیسے سیہ کاروں کو بھی مل جائے، اللہ سے کیا بعید ہے کہ وہ عطا فرمائے۔ ہم جیسے سیاہ کار دعا اور آرزو ہی کرسکتے ہیں۔

۳۶۔ راہ محبت میں چلنے والا کوئی شخص محروم نہیں ہوتا

راہ سلوک میں چلنے والے ہر وہ فرد جو ڈیڑھ دو گھنٹے تک اپنے ذکر ومراقبہ کو پہنچانے

میں کامیاب ہوا ہے، اسے مطمئن ہونا چاہئے کہ ان شاء اللہ وہ منزل مقصود تک پہنچ کر رہے گا اور نفسی قوتوں پر فتحیابی حاصل کرنے میں ان شاء اللہ ضرور کامیاب ہوگا۔ اگرچہ وہ دوسروں کی تربیت کی صلاحیت کا حامل نہ ہوسکے، لیکن وہ خود نفس کی طغیانی لہروں سے نکل کر بہتر اور پاکیزہ مسلمان کی حیثیت سے زندگی گذارنے کی استعداد سے ضرور بہرہ ور ہوگا۔

یہ استعداد بجائے خود اتنی بڑی نعمت ہے کہ دنیا کی ساری نعمتیں اس نعمت پر قربان ہیں۔

دوسروں کی تربیت کے کام پر فائز ہونے کا مقام ایسا ہے، جس کا سارا انحصار اللہ کے فضل خاص پر منحصر ہے، اللہ جسے چاہتا ہے، اس مقام پر فائز کردیتا ہے۔ ویسے بھی تصوف میں بزرگ بننے کی آرزوؤں کا ہونا، نااہلی کی سب سے بڑی علامت ہے۔ جو فرد شروع ہی سے بزرگ بننے کی نیت سے راہ سلوک میں چلتا ہے، اس پر اس کے معارف وحقائق کھل سکیں، اس کے حب جاہ جیسے جذبات کی اصلاح ہوسکے، ممکن نہیں، اس لئے کہ اس راہ میں نفس کی ساری چاہتوں کی قربانی دینی پڑتی ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر اپنی ذات کی نفی اور اپنے کچھ بھی نہ ہونے کے احساس کو غالب کرنا پڑتا ہے۔ جب فرد اپنی ذات کی نفی اور فنائیت کے آخری مراحل تک پہنچتا ہے، تو وہ وقت ہوتا ہے، جب اللہ کا فضل شامل ہوتا ہے اور فرد کے نفس پر روح کی لطیف قوتوں کو غالب کرکے، اس سے بڑا کام لیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں اور مسلسل ومستقل مزاجی سے ہونے والے مجاہدوں کو بھی عمل دخل ہوتا ہے اور فضل خداوندی مجاہدوں کی وجہ سے بھی شامل حال ہوجاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ راہ عشق ومحبت میں چلنے والا کوئی شخص محروم نہیں ہوتا، سب کو فیض ملتا رہتا ہے، سکون وسکینت کی نعمت عطا ہوتی ہے۔ صبر وشکر کی صفات بھی حاصل ہوتی ہیں، البتہ وہ شخص جو بزرگ بننے کی آرزو رکھتا ہے (جو تکبر ودعویٰ کی علامت ہے) اسے محروم کردیا جاتا ہے۔ یہ وہ اہم نکتہ ہے، جسے بزرگوں نے تفصیل سے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔

۳۷۔ فنائیت کے بغیر اصلاح کا نہ ہونا

اصلاح نفس اور تزکیہ کے لئے فنائیت کا سفر ناگزیر ہے۔ فنائیت کا مطلب اپنے آپ کو مٹانا ہے، اپنی خواہشات کو پامال کرنا ہے۔ اپنے آپ کو نفسیاتی، وجدانی اور شعوری طور پر چھوٹے پن کے مقام پر لانا ہے۔ فنائیت سے مراد نفس کی قوتوں کے زور کو توڑ کر انہیں اسلامی شریعت کے تابع کرنا ہے۔ فنائیت کا مطلب سارے باطنی امراض اور نفس کے مکر وفریب کے حملوں سے آشنا ہونا اور ان سے بچاؤ کی استعداد کا حامل ہونا ہے۔

فنا کے مقامات طے کرنے میں طالب کو نفس کی بہت ساری گھاٹیوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ یہ گھاٹیاں پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی ہیں۔ ان سے گذرنے کے لئے غیر معمولی صبر، حوصلے اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے۔ نفس کی ان گھاٹیوں کی دشوار گزاریوں کی وجہ سے اکابر بزرگ اپنے ہزاروں مریدوں میں بمشکل دوچار افراد ہی کو خلافت کی مسند عطا فرماتے ہیں۔ اس دور میں حضرت مولانا خان محمدؒ، حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ حضرت مولانا عبدالکریم قریشیؒ (جو اس دور کے مثالی بزرگوں کا نمونہ تھے) ان کی زندگی بھر کا کل سرمایہ دوچار خلیفے ہی تھے، جو ان کے چراغ کو روشن کرتے رہے۔

جب نفس کی گھاٹیاں طے کئے بغیر خلافت کی مسند عطا ہوتی ہے تو تصوف، معاشرہ میں رونقِ کردار اور اللہ کی محبت کے فروغ پذیری کے بجائے معاشرہ کی ٹوٹ پھوٹ کا ذریعہ بنتا ہے، یہاں اس کی صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ ایک بزرگ نے ایک مولوی صاحب کو صرف تین ملاقاتوں میں (جو ایک سال کے دوران ہوئیں) خلافت عطا فرمادی، وہ مولوی صاحب چالیس سال سے ایک ماہانہ رسالہ بھی نکالتے ہیں۔ موصوف خلافت سے پہلے بھی قوم پرستوں اور اسلام کے کمیونزم والے ایڈیشن کے علمبرداروں کی حمایت ووکالت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے تو بزرگی کی مسند پر فائز ہونے کے بعد بھی یہی ''خدمت'' سرانجام دے رہے ہیں۔ پچھلے دنوں بنگلہ دیش میں اسلام اور پاکستان کے جرم میں ایک دینی جماعت کے لیڈروں کو سیکولر حکومت نے بھارت کی ایما پر پھانسی کی سزا دی تو موصوف نے اپنے رسالہ میں نہ صرف اس کا خیر مقدم کیا، بلکہ یہ لکھا کہ دینی جماعت

کے یہ قائدین اس کے مستحق تھے اور یہ بنگالیوں کے بڑے پیمانہ پر قتل کے جرم میں ملوث تھے۔

یہ مولوی صاحب دینی جماعتوں کے باہمی اختلاف کو کفر واسلام کے اختلاف کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ تین ملاقاتوں کے نتیجہ میں ملنے والی خلافت ان کے فکر ونظر اور دل کو تبدیل کرنے میں کوئی کردار ادا نہ کرسکی۔

۳۸۔ روح پر نفس کی قوت کو غالب کرنے کے مضرات

بزرگان دینا کا کہنا ہے کہ ہماری انفرادی واجتماعی زندگی میں پیدا ہونے والی ساری خرابیوں کا بنیادی سبب روح پر نفس کی قوت کو غالب کرنے کی روش ہے۔ نفس کی قوت جو سارے درندوں کی مجموعی قوت سے بھی زیادہ بڑی ہے، وہ جب روح پر غالب آجاتی ہے تو فرد وافراد شر وفساد کا مجسمہ بن جاتے ہیں اور انسانیت کو پامال کرنے کی ان کی صلاحیت میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے۔ غصہ واشتعال کا شیطان بے قابو ہوجاتا ہے۔

نفس کی اس قوت کو مفتوح کرنے، اسے حداعتدال میں رکھنے اور اس پر روح کی لطیف قوت کو غالب کرنے کی صورت یہ ہے کہ فرد، اللہ کے اسم ذات کا ذکر شروع کردے اور لا الہ الا اللہ کے ذکر کو وظیفہ بنائے۔ ان دونوں اذکار میں اللہ کے اسم ذات کا نام شامل ہے، جس میں خالق کائنات کی ساری تجلیات، سارا حسن، ساری صفات اور ساری توانائی شامل ہے۔ لا الہ الا اللہ کی اصل بھی اللہ ہی ہے۔ اور اللہ کے علاوہ باقی سارے معبودوں کی نفی ہے۔

۳۹۔ راہ محبت میں چلنے کے ثمرات ونتائج

تصوف میں افراد سے اسم ذات کے ذکر پر محنت ومجاہدے کرائے جاتے ہیں۔ ان مجاہدوں سے فرد وافراد کی زندگی میں جو تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور زندگی جن پاکیزہ اثرات سے سرشار ہونے لگتی ہے، انہیں بڑے سے بڑے الفاظ میں بھی بیان کرنا ممکن نہیں۔ اس کے نتیجہ میں جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، ان میں سے کچھ نعمتیں یہ ہیں۔

- دنیاوی زندگی کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی کی فکر غالب ہونے لگتی ہے اور

آخرت کی تیاری کے لئے ہر ممکن حد تک کاوش ہونے لگتی ہے۔
- اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونا آسان ہوجاتا ہے۔
- ایسی ساری عادتیں، جو نفس ونفسانیت کا نتیجہ ہوتی ہیں، آہستہ آہستہ ان عادتوں سے نجات کی صورت پیدا ہونے لگتی ہے۔
- فرد، اپنی ذات، اپنے اہل وعیال اور افراد معاشرہ کے لئے اپنے کردار کی بدولت باعث خیر وبرکت بن جاتا ہے۔
- حب جاہ وحب مال کے جذبات پر قابو ہوجاتا ہے۔
- ہر طرح کے ذہنی دباؤ اور فکری انتشار (ڈپریشن) سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔
- خوداعتمادی کا بحران ختم ہوکر، شخصیت میں ٹھہراؤ واعتدال آجاتا ہے اور ہر معاملہ کو تحمل، بُردباری اور سنجیدگی سے سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت ابھر آتی ہے۔
- معاشرہ کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا احساس پیدا ہوجاتا ہے۔
- لاابالی پن اور غیر ذمہ دارانہ روش کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔
- دوسروں کے کام آنے اور پریشان حال افراد کی عملی طور پر مدد کرنے کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے۔
- ہر معاملہ کے منفی پہلوؤں کو دیکھنے اور ان منفی پہلوں پر پر سوچنے کی بجائے معاملہ کے مثبت پہلوؤں کو دیکھنے کی صلاحیت ابھر آتی ہے۔
- اپنی ذات کو پہنچنے والے نقصان یا معاشرہ میں پیدا شدہ خرابیوں کا ذمہ دار دوسروں کو قرار دینے کی نفسیات سے نجات مل جاتی ہے اور حالات کی تبدیلی کے سلسلہ میں دردمندی وفکر مندی آجاتی ہے۔
- آداب انسانیت، سلیقۂ انسانیت اور رحم اور شفقت جیسے اوصاف پیدا ہوجاتے ہیں۔
- قیل قال اور ہر معاملہ میں دوسروں کو نشانہ بنانے، اہل سیاست، اہل تجارت اور معاشرہ کے مراعات یافتہ طبقات کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کرنے کی بجائے، انہیں قابل رحم سمجھکر اخلاص، دردمندی اور حکمت وسلیقہ سے ان کے سامنے اسلام کا انسانیت نوازی کا

پیام پیش کرنے کی فکر غالب ہوجاتی ہے۔

• اپنے نفس کی تہذیب واصلاح کا کام ترجیحات کی فہرست میں اولیت حاصل کرلیتا ہے۔ جب اصلاح نفس کے لئے ذکر وفکر کے مجاہدے ہونے لگتے ہیں تو نفس میں موجود کثافتوں اور کدورتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ سامنے آنے لگتا ہے۔ کبھی حب مال کا بت سامنے آکر اپنے سامنے سجدہ ریزی پر مجبور کرتا ہے تو کبھی حب جاہ کا بت۔ کبھی دوسری کی تحقیر وتذلیل کے جذبات سامنے آتے ہیں تو کبھی مادی حسن پر فدائیت کے احساسات ابلنے لگتے ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ نفس کی گہرائیوں میں موجود درندگی کی ساری قوتیں سامنے آنے لگتی ہیں اور ذکر وفکر کے غیرمعمولی مجاہدوں سے جب اندر سے یہ درندے نکلنے لگتے ہیں تو نفس کا جنگل صاف ہوجاتا ہے اور حقیقی انسانیت اور انسانی جوہروں سے بہرہ یابی ہوتی ہے۔ اس طرح فرد، انسانی نفسیات کا ایسا ماہر ہوجاتا ہے کہ جدید ماہرینِ نفسیات ان کے سامنے ہیچ ہوتے ہیں، اس لئے کہ یہ نفس کے جنگل میں موجود درندوں کو نکال کر، حقیقی انسانیت اور انسانی فیوض وبرکت اور آداب انسانیت سے فیضیاب ہوچکا ہوتا ہے۔ جب کہ نفسیاتی ماہرین، انسانی نفسیات کی سطحی معلومات کے حامل ہوتے ہیں، وہ نفس کے اندر موجود حیوانی وجبلی قوتوں کو مطیع کرنے کی صلاحیت سے قاصر ہوتے ہیں۔

دراصل حقیقی تصوف یہی ہے، جو فرد وافراد کی حیوانیت پر اس کی ملکوتی قوتوں کو غالب کرتا ہے اور نفسی قوتوں پر روحانی قوتوں کو فاتح بنانے کا کارنامہ سرانجام دیتا ہے۔

یہ نعمتیں اپنے آپ کو حقیقی اہل اللہ کے سامنے پیش کرنے اور ان کے زیر اثر ذکروفکر کے مجاہدوں کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوتی ہیں۔

تصوف واہل تصوف کی اصل حیثیت یہی ہے، جو اس وقت بدقسمتی سے کچھ مادہ پرستی اور عقلیت پرستی کے غلبہ، کچھ تصوف کے نام پر جعلی صوفیوں کے حب جاہ وحب مال کے مظاہر ومناظر کی وجہ سے اس کی یہ حیثیت دب گئی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ دین ومذہب کی ترجمانی میں بھی عام طور پر روایتی پن کا غلبہ ہے۔ اور ہماری نوجوان نسلیں اہل مذہب کے کردار سے غیرمطمئن ہوکر شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہیں، جو ہماری ملت کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

۴۰۔ اللہ کے ذکر پر مداومت سے حیاۃ طیبہ کا حاصل ہونا

اللہ کے ذکر میں اتنی توانائی پوشیدہ ہے کہ کمزور سے کمزور فرد، ڈپریشن کی آخری حدود کو چھونے اور مسائل ومشکلات کی دلدل میں مبتلا فرد بھی اگر ذکر کا سہارا لے گا اور ذوق وشوق سے ذکر کرے گا تو وہ ان مسائل ومشکلات سے اوپر اٹھ جائے گا اور ایسی پاکیزہ اور حلاوتوں سے سرشار زندگی سے آشنا ہوگا، جسے حیاۃ طیبہ سے عبارت کیا گیا ہے، پاکیزہ زندگی، لذیذ ترین زندگی۔

جس ذکر کی بدولت اسی دنیا میں حیاۃ طیبہ کی نعمت عظمیٰ حاصل ہوتی ہو، اس ذکر سے دوری ومحرومی کو بدنصیبی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بعض اہل علم اور جدید طبقات سے وابستہ افراد دریافت کرتے ہیں کہ ہمیں ذکر اور حیاۃ طیبہ کی یہ سعادت کیسے حاصل ہوگی؟

ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ سعادت، طلب اور اضطراب کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوگی۔ فرد اپنے اندر حقیقی طلب واضطراب پیدا کرے، تو ازخود یہ نعمت حاصل ہونا شروع ہوگی۔ اس لئے کہ حقیقی طلب کے نتیجہ میں صحیح بزرگ کی تلاش ہوگی، وقت نکالنے کی صورت پیدا ہوگی اور مجاہدوں کے لئے آمادگی پیدا ہوگی اور حوصلہ وہمت سے کام لینا پڑے گا۔

حقیقی طلب اپنے ساتھ یہ ساری چیزیں لاتی ہے۔ جب حوصلہ وہمت کا مظاہرہ ہوگا اور مجاہدہ کا عمل شروع ہوگا تو ذکر کی توانائی اور حسنِ ذکر اور انوار ذکر سے شخصیت کا باطن روشن ہوگا اور روح خوشی سے لبریز ہوگی۔

۴۱۔ مسلم معاشرہ میں پیدا ہونے والی حب مال کی بیماری

عہد جدید میں مادہ پرست سرمایہ دارانہ نظام، مغربی تہذیب اور اس کے علوم وفنون کے غلبہ کی وجہ سے پوری انسانیت اور خود مسلم معاشروں میں کچھ بیماریاں ایسی پیدا ہوگئی ہیں، جس نے انسانیت کو ہلاکت سے دوچار کردیا ہے اور قیامت سے پہلے قیامت کا منظر پیدا کردیا ہے۔

ایک بڑی بیماری جو پیدا ہوگئی ہے، وہ دولت کی پرستش کی حد تک کی بیماری ہے۔ زیادہ سے زیادہ مال کمانے، زیادہ سے زیادہ تنخواہ اور اگلے سے اگلے گریڈ کی فکرمندی اور

اس کے لئے اضطراب دنیا کی ساری سہولتوں اور لذتوں سے بہرہ ور ہونے، بڑی بڑی گاڑیوں اور بنگلوں اور خوشحال مادی زندگی کے سارے سامان کے حصول کی خواہشوں وآرزوؤں اور اس کے حصول کے لئے آخری حد تک کاوشوں کے ہونے، اس مادی دوڑ کی عمومی روش نے ایک تو آخرت کی زندگی کی فکر کو پس پشت ڈال دیا ہے اور مادہ پرست سوچ کو غالب کردیا ہے، دوم یہ کہ نفسانفسی کی فضا کو غالب کردیا ہے۔غریب افراد کی پرسانِ حالی کے میلانات ورجحانات کوختم کردیا ہے۔ سوم یہ کہ خودغرضی، قساوت قلبی اور سنگ دلی کی ایسی فضا پیدا کردی ہے کہ انسانیت اس اعتبار سے حیوانیت کا منظر پیش کرنے لگی ہے۔ چہارم یہ کہ دولت کی خاطر ساری اخلاقی قدریں پامال ہوگئی ہیں۔ چونکہ مقصود دولت کا حصول ہوگیا ہے، اس لئے یہ دوست رشوت سے آئے، لوٹ مار سے آئے، مہنگائی میں اضافہ سے آئے، انسانیت کی پامالی سے آئے۔ غریبوں کے خون پسینے کو نچوڑنے سے آئے، کیسے بھی آئے، ہرصورت میں دولت آئے، دولت پرستی کی اس خوفناک روش نے انسانی اقدار کے تقدس کوختم کردیا ہے۔

دوسری بیماری جو اس دور کی امتیازی خصوصیت ہے، وہ ذہنی دباؤ، فکری انتشار (ڈپریشن) احساس تنہائی واحساس بے گانگی، اداسی، افسردگی، بے یقینی، اور کمزوریٔ دل کی بڑھتی ہوئی بیماری ہے، جس نے معاشرہ کو لپیٹ لیا ہے اور اس اعتبار سے مرد وخواتین بالخصوص نوجوان نسل انتہائی قابل رحم حالت تک پہنچ گئی ہے، نوجوان نسل نفسیاتی مریضوں کی حیثیت سے زندگی گذارنے پر مجبور ہے۔

چوتھی بیماری صبر، تحمل بردباری، اور رواداری کے خاتمہ اور غصہ واشتعال کے شیطان کے بے قابو ہوجانے کی بیماری ہے، جس نے گھروں، خاندانوں، دوستوں، جماعتوں اور اداروں کو تباہی کے دہانے کھڑا کردیا ہے۔

حالت یہ ہوگئی ہے کہ خاندانوں سے لے کر جماعتوں تک میں افراد ایک دوسرے کے خلاف غم وغصہ کے جذبات سے بھرے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو گرانے اور تذلیل کرنے کی کاوشوں میں مصروف ہیں، کہیں یہ کاوش دین ومذہب اور روحانیت کے نام پر ہے تو کہیں اصولوں کے نام پر اور کہیں اپنے موقف کی سچائی کے نام پر۔

چوتھی بیماری ارتکاز سرمایہ کی ذہنیت کی وجہ سے بڑھتی ہوئی بے روزگاری وبے کاری

کی بیماری ہے، ہرمحلّہ میں بے روزگار جدید پڑھے لکھے نوجوانوں کے غول کے غول موجود ہیں۔ معاشرتی اور ریاستی سطح پر انہیں کام سے لگانے اور انہیں بے روزگاری کے الاؤنس دینے کی نہ تو حکومت کوفکر لاحق ہے اور نہ ہی ارب پتی سرمایہ داروں کے ذہن میں، خیر کی بات سوجھتی ہے، اس کی وجہ سے معاشرہ شدید خلفشار سے دوچار ہے، گھروں میں لڑائی جھگڑوں کی فضا قائم ہے۔

پانچویں بیماری، جس نے افرادِ معاشرہ کو نیکی کی طرف راغب کرنے کی راہ میں حجابات حائل کردیئے ہیں، وہ موبائل اور انٹرنیٹ کے ذریعہ مادہ پرستی، جنس زدگی اور نوجوان لڑکوں اورلڑکیوں کے لئے ایک دوسرے کے لئے فریفتگی کے میلانات ہیں، فحاشی، جنس زدگی اور فاسد خیالات کے غلبہ نے فضا میں ایسی تاریکی اور کدورت پیدا کردی ہے کہ جنس زدگی اور مادہ پرستی کے اثرات سے فضا مکدر ہوگئی ہے، فرد، گھر سے نکلتے ہی ہر طرف ظلمات، سیاسی، کدورتوں اور درندگی کے مسموم اثرات کی لپیٹ میں آنے لگتا ہے اور دلوں میں خیر کوقبول کرنے اور نیکی پر چلنے کی آرزوئیں اور امنگیں کالعدم ہونے لگتی ہے۔

چھٹی بیماری جو بالخصوص جدید نوجوان نسل میں پیدا ہوگئی ہے، وہ علم وادب کے قافلہ سے بچھڑ جانے کی بیماری ہے۔ بالخصوص سنجیدہ علمی کتابوں اور اپنے اسلاف اور اپنی تاریخ سے متعلق کتابوں سے دوری کی روش ہے۔ مطالعہ سے عدم دلچسپی، بلکہ کتاب بیزاری کی روش ہے، دینی مدارس سے وابستہ طلبہ اور علماء میں بھی یہ بیماری موجود ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بڑی جامعہ جس میں ہزاروں طلبہ پڑھتے ہیں، اس کے مہتمم صاحب نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ ہمارے طلبہ کی مطالعہ کے سلسلہ میں حالت یہ ہے کہ آج تک کسی طالب نے مجھ سے کسی کتاب کے بارے میں نہیں پوچھا کہ یہ ہمارے ہاں موجود نہیں ہے اور کہاں سے دستیاب ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ کتاب سے اپنی تہذیب وتاریخ وابستہ ہوتی ہے اور کوئی بھی قوم اپنی تاریخ وتہذیب سے بے نیازی کی متحمل نہیں ہوسکتی، مغرب کی ساری ترقی افراد کی کتاب کے مطالعہ ہی کا ثمرہ ونتیجہ ہے کہ اس سے تلاش وتحقیق کا مزاج راسخ ہوتا ہے۔ مغرب کی ساری کمزوریوں کو مطالعہ کی عمومی عادت ہی چھپائے ہوئی ہے، اس لئے کہ مطالعہ کی وجہ سے وہ علوم وفنون کے ہرشعبہ میں ارتقا پذیر ہیں۔

یہ ایسے حالات ہیں، جس سے امت کو اس سے پہلے کبھی سابقہ پیش نہیں آیا تھا، پہلے بھی معاشرہ میں بُرائیاں موجود رہی ہیں اور دنیا پرستی کے اثرات سے معاشرہ مسموم ہوتا رہا ہے۔ لیکن مادہ پرست مغربی تہذیب، مادہ پرستی پر مبنی اس کے سارے علوم کی ترقی، بلکہ اس کی ہمہ گیریت کی وجہ سے اب فضا سراپا ظلمات سے بھر چکی ہے۔ ان حالات میں مادہ پرستی کے سیلاب سے بچنے اور افراد معاشرہ کے دین وایمان کے بچانے کی واحد صورت یہ ہے کہ صالح افراد (اہل اللہ) کی صحبت کے ماحول سے اپنے آپ کو اس طرح منسلک ووابستہ کردیا جائے کہ فرد اپنی ساری مصروفیات کے باوجود وجدانی، ذہنی اور نفسیاتی طور پر اپنے آپ کو اسی فضا میں رہتے ہوئے محسوس کرے۔

یہ کیفیت کچھ عرصہ تک اہل اللہ کی صحبت میں رہنے کے نتیجہ میں ازخود پیدا ہوجاتی ہے، ذکر، جس سے اہل اللہ کی دلیں آباد ومنور ہوتی ہیں، اہل اللہ کی صحبت سے دلوں میں ذکر کی منتقلی کا سلسلہ بھی شروع ہوجاتا ہے، جس سے مادہ پرستی کی فضا کا مقابلہ کرنے اور اس کی مزاحمت کرکے، دین وایمان کی راہ پر گامزن ہونے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔

اگرچہ مسلم معاشرہ میں ہمیشہ افراد کی اصلاح، دنیاداری اور نفسیانیت کے رجحانات ومیلانات پر قابو پانے اور تزکیہ اور اصلاح نفس کا یہی سلسلہ مسلمہ رہا ہے، لیکن اس دور میں خوفناک مادی قوتوں کے غلبہ کی وجہ سے دین وایمان کے بچاؤ کی سب سے مؤثر صورت یہی ہے۔ ورنہ فرد سراسر خطرہ سے دوچار ہے۔

حالت یہ ہے کہ بچہ اگر ایک بار انٹرنیٹ میں فحاشی اور بے حیائی کے مناظر ومظاہر کے دیکھنے کا عادی ہوجاتا ہے تو یہ عادت اس کی نفسیات کا اس طرح گھیراؤ کردیتی ہے اور اس کے مزاج کو اس قدم مسموم کردیتی ہے کہ بہتر وپاکیزہ عادتیں اور خیر کو قبول کرنے کی اس کی صلاحیت مفلوج ہونے لگتی ہے۔

موجود دور میں ہر گھر کے افراد کا یہی رونا ہے کہ معلوم نہیں، نئی نسل کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ادب وآداب اور بہتری کی کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔

یہ دراصل مادی حسن پر فدائیت اور جنس زدگی کا دیو (شیطان) ہے، جو ایک بار غالب آجانے کے بعد اس سے بچاؤ ونجات کی صورتیں دشوار تر ہوجاتی ہیں۔ اہل اللہ کی صحبت اور ان کا پیدا کردہ ذکر وفکر کا ماحول ہی وہ قوت ہے، جو اس دیو سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

اہل اللہ اور فقیر منش افراد کی اس مسلمہ اہمیت کے باوجود ان سے دوری، بغاوت وفرار کی راہ اختیار کرنا، یہ علامت ہے، اس بات کی کہ ہمارا معاشرہ خراب عادتوں کے استحکام کی وجہ سے عذاب کی لپیٹ میں ہے۔

اہل اللہ جو معاشرہ کے نباض ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس دور میں جدید تعلیم بالخصوص فنی تعلیم ضروری ہے، ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ دینی ومذہبی تعلیم بھی ہونا ضروری ہے، دنیاوی تعلیم کے بغیر روزگار کے حصول کی صلاحیت پیدا ہونا مشکل ہے۔ دینی تعلیم کے بغیر دین کی بنیادی معلومات کے عدم فہم کی وجہ سے فرد دین سے جاہل ہوجائے گا، جو بڑے المیہ کی بات ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اہم بات جو اہل اللہ کہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اگر ذکر میں فنا ہوجانے والوں کی صحبت ومعیت نصیب نہیں ہے تو فرد وافراد کے لئے مادہ پرستی کے اثرات سے بچنا، انسانی اوصاف کا حامل ہونا، باطنی بیماریوں سے بچ کر، انسانی جوہروں سے بہرہ ور ہونا غیر معمولی طور پر دشوار ہے۔ اہل اللہ کی صحبت سے ہی اللہ کا رنگ غالب ہوجاتا ہے۔ اس طرح دوسرے سارے رنگوں کے ازخود مٹ جانے کی صورت پیدا ہونے لگتی ہے۔

یہی وہ سب سے اہم اور بنیادی نکتہ ہے، جو بدقسمتی سے جدید معاشرہ کے جدید افراد سے اوجھل ہوگیا ہے۔ وہ اہل اللہ کی صحبت کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں، بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ وہ اہل اللہ سے اس طرح بھاگتے ہیں، جس طرح شیر سے بھاگا جاتا ہے۔ معاشرہ کا پیدا ہونے والا یہ سارا فساد دراصل اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے۔

اللہ کے جن صالح بندوں کی صحبت ومجلس سے ایمان ویقین کی فضا پیدا ہوتی ہو، پاکیزہ خیالات کا غلبہ ہوتا ہو، صالح اعمال کے صدور کی صلاحیت ابھرتی ہو، جملہ نفسیاتی ومزاجی خرابیوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہو، خود اعتمادی سے بہرہ وری پیدا ہوتی ہو، ان کی صحبت اور مجلس سے فرار، دراصل اپنے آپ سے دشمنی اختیار کرنے کے مترادف ہے اور اپنی شخصیت کو جملہ نفسیاتی بیماریوں کے حوالہ کرنا ہے۔

۴۲۔ معاشرہ کا سب سے بڑا روگ دین پر دنیا داری کو غالب کرنا

آج معاشرہ کا ایک بڑا روگ دین پر دنیاداری کو غالب کرنے کا روگ ہے، افراد کو ہر صورت میں دولت چاہئے اور وافر مقدار میں چاہئے۔ حقیقی اہل اللہ کی خانقاہیں جو

دنیاداری کے رنگ کو مٹا کر اللہ کے رنگ کو غالب کرنے کا مرکز ہیں، وہ آج کل اس لئے ویران ہیں کہ دنیا کی ہیبت کے غلبہ کی وجہ سے اپنے اوپر اللہ کے رنگ کو طاری کرنے کا مزاج باقی نہ رہا ہے اور دنیا مطلوب ومقصود ہوگئی ہے، جب کہ حقیقی اہل اللہ، دنیا واہل دنیا سے استغنا کے مزاج کے حامل ہیں۔ چنانچہ تصوف کے نام پر اوراد پر مداومت اختیار کرکے وظائف کے ذریعہ لوگوں کے دنیاداری کے کاموں میں معاونت کرنے والے عامل نما بزرگوں کے مراکز تو آباد ہیں، اس لئے کہ وہ راہ عشق میں چلا کر سیرت وکردار میں پاکیزگی کی بجائے دنیاوی مقاصد کا ذریعہ ہیں۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا سے مستغنی اہل اللہ کی صحبت کے نتیجہ میں اللہ کی معیت حاصل ہوجاتی ہے، جسے اللہ مل جائے، اسے دونوں جہانوں کی سعادت حاصل ہوکر رہ جاتی ہے۔ وہ حدیث شریف کہ جو اللہ کا ہوجاتا ہے، اللہ اس کا ہوجاتا ہے۔ یہ سعادت فقیر منش اہل اللہ کی صحبت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

۴۳۔ دوسروں کے محاسبہ کے خبط کی بیماری اور اس کی اصلاح کی صورت

اس دور کی ایک بڑی کمزوری دوسروں کا محاسبہ کرتے رہنے کے خبط کی بیماری ہے، جو باصلاحیت طبقہ کی خصوصیت ہے۔ چونکہ خوداحتسابی اور اندر میں ڈوبنے کے عمل سے محرومی ہوتی ہے۔ اس لئے اپنی کمزوریوں سے ناآشنائی ہوتی ہے اور دوسروں کے بارے میں حساسیت میں غیرمعمولی اضافہ ہوجاتا ہے۔

باصلاحیت افراد کی مزاج کی اس کمزوری کا نتیجہ معاشرہ کو ٹوٹ پھوٹ اور افتراق کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے، اس طرح کے افراد اگر اہل اللہ کی مستقل صحبت کے زیر اثر اندر میں غوطہ زنی کا عمل شروع کریں تو ان پر باطن میں موجود نفس کی قوتیں آشکار ہونا شروع ہوجاتی ہیں اور انہیں زندگی میں پہلی بار یہ ادراک ہونا شروع ہوجاتا ہے کہ دوسروں کو عقابی نظروں سے دیکھنے والا فرد خود سب سے زیادہ نفسی ونفسیاتی بیماریوں کا شکار تھا، اور اس اعتبار سے سب سے زیادہ قابل رحم حالت اس کی اپنی حالت تھی۔

اہل اللہ کی صحبت کی یہ خصوصیت ایسی عجیب غریب ہے کہ عالم ودانشور وباصلاحیت فرد سراپا حیرت زدہ ہوجاتا ہے۔ چونکہ اہل اللہ مجاہدوں سے اپنے نفس کو اخلاص وللہیت

سے مہذب بنا چکے ہوتے ہیں، اس لئے ان سے محبت کا تعلق قائم رکھنے سے ان کے اندر سے پاکیزہ شعائیں نکل کر فرد میں جب داخل ہوتی ہیں تو اخلاص وللہیت کے اثرات اسے گھیر لیتے ہیں۔ اس طرح اس پر دوسروں کی فکر سے زیادہ اپنی فکر غالب ہونے لگتی ہے۔ لیکن دوسروں کی بے جا فکر سے پوری طرح جان چھڑانے کا عمل مسلسل خوداحتسابی اور مسلسل صحبت کا متقاضی ہے۔ برسوں کی صحبت اور ذکر وفکر کے بعد کہیں جاکر دوسروں کی فکر سے جان چھوڑتی ہے۔ جب قابل ذکر حد تک اصلاح ہوجاتی ہے تو دوسروں کے بارے میں بے جا فکر وبے جا حساسیت تو کم ہوجاتی ہے، البتہ حقیقی فکرمندی ودردمندی پیدا ہوجاتی ہے اور دوسروں کی اصلاح کے لئے صبر، حکمت وسلیقہ سے کام کرنے کی صلاحیت ابھر آتی ہے، اس طرح بے جا تنقید (جو دلوں کے توڑنے کا ذریعہ بنتی ہے) سے نجات مل جاتی ہے۔

۴۴۔ اپنی صلاحیتوں سے زیادہ کام ہاتھ میں لینے کی بیماری

موجودہ دور میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے وہ افراد، جو جدید اسلامی فکر سے متاثر ہوکر اسلام کے درد کے حامل ہوتے ہیں، وہ اس اعتبار سے قابل قدر ہیں کہ ان کی زندگی کا رخ بدلنا شروع ہوجاتا ہے، ان کی فکر ونظر میں تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان میں ایک کمزوری جو آجاتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ ریاست اور معاشرہ کی تبدیلی اور اپنی صلاحیتوں سے زیادہ بڑے پیمانہ پر کام کرنے کی فکر سے سرشار ہوجاتے ہیں اور ریاست کی تبدیلی اور جدیدیت کے بڑھتے ہوئے طوفان کے مقابلہ کے سلسلہ میں ان پر فکرمندی غالب ہوجاتی ہے، جو انہیں اپنی صلاحیت سے زیادہ بہت بڑے پیمانہ پر کام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور وہ مختلف شعبوں میں نئے نئے کام شروع کردیتے ہیں، چند برسوں کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سارے کام نہ صرف یہ کہ ادھورے رہ گئے، بلکہ غیراصلاح یافتہ ساتھیوں کی نفسی خرابیوں کی نذر ہوگئے اور وہ خود بھی نفسی قوتوں سے پوری طرح ناآشنائی کی وجہ سے اپنے سارے کاموں کے بے نتیجہ ہونے کا سبب بن گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک فرد، صحبت اہل اللہ اور ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ذریعہ اپنی نفسی قوتوں کے فہم اور انہیں ایک حد تک مطیع کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا، وہ حکمت

وسلیقہ سے افراد معاشرہ کی اصلاح اور معاشرہ کی حقیقی بنیادوں پر تبدیلی کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔ علم، عقل اور استدلال کی مدد سے ذھن کی اصلاح تو ہوسکتی ہے، لیکن دل کی اصلاح کی صورت پیدا نہیں ہوسکتی۔

اگر اس نکتہ کا فہم پیدا ہوجائے تو جدید اسلامی فکر اور محض علم واستدلال کے حامل افراد کی اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں مصنوعی فکرمندی میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔

اس مصنوعی فکرمندی کی وجہ سے وہ خود بھی بے چین رہتے ہیں تو اپنے حلقہ احباب سے بھی کام کی غیرمعمولی امید رکھنے کی وجہ سے ان کی بھی پریشانی کا موجب بنتے ہیں حالانکہ قرآن نے واضح فرما دیا کہ **لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔**

اصل میں عقلیت کے حامل اسلامی فکر کے حامل افراد کا بنیادی مسئلہ دل کی صلاحیتوں سے عدم آشنائی کا ہے، جب تک فرد دل کی گہرائیوں تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوتا، اس وقت تک وہ عقل محض کے ذریعہ فریب نفس کا شکار رہتا ہے، نفس اس کے عقل کو ایسی ایسی وادیوں میں دوڑتے رہنے کی ہدایات دیتا رہتا ہے، جن وادیوں کو طے کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

اس طرح کے افراد کے لئے ملت کے لئے مصنوعی فکرمندی سے بچاؤ اور حقیقت پسند بن کر اپنی صلاحیتوں کے دائرہ میں رہ کر کام کرنے کی صلاحیت کی ایک ہی ہے کہ وہ اہل اللہ کا دامن پکڑیں، تاکہ عقل اور دل کے درمیاں مطابقت کی صورت پیدا ہو سکے۔

اللہ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے خاص افراد سے اپنے دین کی تجدید کا جو کام لیتا ہے، انہیں سب سے پہلے اصلاح نفس کے مراحل سے گزار کر، نفس انسانی کے سارے فتنوں سے آگاہ کردیتا ہے، اپنے قرب کا مقام نصیب فرمانے کے بعد ہی ان سے معاشرہ کی اصلاح کا کام لیتا ہے۔ تجدید احیائے دین کے سارے داعیوں کے کام کے جائزہ سے اللہ کی یہ سنت واضح ہوتی ہے۔

اپنی تاریخ پر گہری نظر نہ ہونے کی وجہ سے فرد اس نکتہ کے فہم سے قاصر ہوتا ہے۔

چنانچہ تہذیب نفس سے پہلے وہ محض علم، عقل اور ذہانت کی مدد سے میدان میں آتے ہیں اور افراد معاشرہ اور ریاست کی تبدیلی کا کام ہاتھ میں لیتے ہیں۔

چونکہ ان کی ساری کاوشوں کے باوجود کام آگے بڑھنے کے بجائے بگڑتا رہتا ہے،

اس لئے ایسے افراد کا رخ جلد ہی علماء کرام اور دینی شخصیتوں پر تنقید کی طرف مڑنے لگتا ہے اور اپنے کام کے غیر مؤثر ہونے کا غصہ وہ علماء کرام اور دینی شخصیتوں پر بے جا تنقید کی صورت میں نکالتے ہیں۔

اس نکتہ پر زور دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ دین کے حقائق کے فہم کا بیشتر تعلق دل کی بیداری سے ہے۔ جب تک دل کی آنکھوں کی بینائی نصیب نہیں ہوتی، اس وقت تک فرد، نفس کی زد میں رہتا ہے، اور نفس، حقیقت دین، خدمت دین اور دین کی خاطر تنقید کے نام پر اس سے طرح کام کراتا رہتا ہے کہ دینداروں کی دل آزاری کا سامان ہوتا رہتا ہے اس طرح دین کے نام پر ملت تفریق کا شکار رہتی ہے۔

بڑا نازک مسئلہ ہے جسے باریک بینی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

۴۵۔ داخلی اور خارجی خلفشار سے بچاؤ کی صورت

موجودہ دور میں باطن میں موجودہ قوتوں کے پیدا کردہ خلفشار اور خارجی مادی قوتوں کے دباؤ سے بچنا اور معتدل مزاج کا حامل ہونا، صبر وشکر کی نفسیات کا غالب ہونا، ناگوار حالات میں اشتعال سے بچنا، کسی کی دل آزاری سے بچنا اور سب کے ساتھ محبت سے پیش آنا اور دین کے لئے اپنی صلاحیتوں کے ساتھ حکمت وسلیقہ سے کام کرنا، یہ سارے کام ایسے ہیں۔ جو اللہ کی معیت کو اپنے ساتھ کرنے سے وابستہ ہیں۔ اللہ کی یہ معیت اللہ کے ذکر اور اللہ والوں سے تعلق کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

فرد وافراد اپنے، علم، عقل اور ذہانت کا جتنا بھی استعمال کریں، وہ ہر پھر کر اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے۔

۴۶۔ صوفی کی پہلی اور آخری منزل

صوفی کی پہلی منزل ذکر وفکر کے ذریعہ نفس کے خلاف مجاہدے اور اسے اللہ ورسول کی اطاعت میں دینے کی جدوجہد ہوتی ہے تو اس کی آخری منزل قرآن کے ذریعہ عبرت وموعظت کا حصول ہوتا ہے۔ مجاہدوں کے ذریعہ نفس پر بڑی حد تک کامیابی کے بعد آخری منزل میں قرآن، اس کے دل وروح کی غذا بن جاتی ہے۔ اس وقت قرآن کے جو معنیٰ اور اس کا جو مفہوم اس پر القا ہوتا ہے، اس سے اس کی روح وجد میں آنے لگتی ہے اور

قرآن میں غوطہ زنی سے وہ جہاں روحانی ارتقا کے نئے نئے مراحل طے کرتا ہے، وہاں اس کا عبدیت کا رنگ غالب سے غالب تر ہونے لگتا ہے، اور اس کے سکون وسکینت وحلاوت کی حالت ناقابل بیان ہوتی ہے۔

۴۷۔ غیر معمولی حقیقی مجاہدوں سے معارف کا کھلنا اور اللہ کے رنگ کا غالب ہونا

حقیقی اہل اللہ جو غیر معمولی مجاہدوں سے کام لیتے ہیں، ان کے لئے حقائق ومعارف کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ وہ حب جاہ، حب مال اور حرص وہوس جیسی آلودگیوں سے صاف ہونے کی وجہ سے سراپا خوشبو بن جاتے ہیں۔ ان کی صحبت اختیار کرنے سے طالبوں میں یہ خوشبو از خود منتقل ہونے لگتی ہے۔ ان کے مجاہدے اور ان کا حسن کردار اور اللہ سے ان کا مستحکم تعلق ہی ان کی توجہ اور فیض نظر ہوتا ہے۔ توجہ اور فیض نظر کے لئے انہیں مصنوعی طریقوں اور مادی نوعیت کی مشقوں سے ہرگز کام لینے کی ضرورت نہیں ہوتی، صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) سے زیادہ پائدار رنگ اور کیا ہوسکتا ہے، اللہ کے رنگ کو غالب کرنے کے لئے اللہ سے جسم وجان کا سودا کرنا پڑتا ہے۔ یہ رنگ غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر آسانی سے غالب ہو سکے، ممکن نہیں، جب یہ رنگ غالب ہوجاتا ہے تو صحبت میں آنے والے افراد کی اصلاح کی بہتر سے بہتر صورت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے جب کہ مصنوعی یا مادی توجہ یا نظر کی مشقیں ہنگامی کیفیات پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں، ان سے اصلاح کے ارتقائی مراحل طے ہوں، ممکن ہی نہیں۔

حقائق ومعارف کے دروازے کھل جانے کا مطلب اللہ کی رضا والی زندگی کا محبوب ومقصود ہوجانا، ایمان کی گہرائیوں تک رسائی کا حاصل ہونا، قرآن وسنت کی روح تک پہنچ جانا، اسلامی شریعت کا مقصود ہونا، تخلقوا باخلاق اللہ کا حامل ہونا، اللہ کے بندوں کے لئے باعث رحمت ہونا، زہد، توکل، قناعت، رواداری اور سراپا محبت جیسے اوصاف کا صاحب ہونا، دوسروں کی آخرت کی زندگی بنانے کی فکر سے مغموم ہونا وغیرہ ہے۔

حقائق ومعارف کے یہ دروازے اہل اللہ پر پوری طرح اس وقت کھلتے ہیں، جب وہ ذکر وفکر کے جان توڑ مجاہدوں کے ذریعہ نفس کی بے رحم قوتوں کے زور کو توڑنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس کو فنائے نفس کی کامل حالت بھی کہتے ہیں، اس سے پہلے پوری

طرح حقائق ومعارف کے دروازوں کا کھلنا ممکن نہیں۔

۴۸۔ حقیقی اہل اللہ کا معاشرہ میں کام کے لئے طریق کار

حقیقی صوفی معاشرہ کی تبدیلی کے لئے حکمت وفراست سے کام لیتا ہے۔ اور وہ سیاست میں فریق بنے بغیر اس طرح کام کرتا ہے، جس سے ہر طرح کی ذہنی صلاحیتوں کے لوگ اس سے وابستہ ہو کر اس سے روحانیت کے اجزاء لیں اور تزکیہ کی راہ پر گامزن ہوں، جب وہ اہل اللہ کی محبت کے زیر اثر نفسی خواہشات سے دستبردار ہوں گے تو اس سے دین کی مظلومیت کے لئے ان میں تڑپ پیدا ہوگی۔ تزکیہ، انہیں دین اور مسلم امت کے حوالے سے اپنے فرائض وذمہ داریوں کی ادائیگی پر ازخود آمادہ کرے گا۔ اس طرح ذہنی وعلمی اور سیاسی محاذ پر کام کرنے والی صلاحیتوں کی حامل شخصیتیں اپنے اپنے شعبوں میں فروغ دین اور دعوت دین کے محاذ پر ازخود کام کرنے پر آمادہ ہوں گی۔ تزکیہ انہیں اس کام پر مجبور کرے گا۔

اہل تصوف کا یہ وہ طریق کار ہے، جس پر وہ صدیوں سے عامل رہے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ملت کو ہر دور میں ہر شعبہ سے وابستہ صالح افراد کی ٹیمیں ملتی رہی ہیں، جو مسلمانوں کے اجتماعی زوال کی روک تھام اور اصلاح احوال کے لئے فیصلہ کن کردار ادا کرتی رہی ہے۔

بدقسمتی سے موجودہ دور میں متعدد اسباب کی وجہ سے ذہین، باصلاحیت اور متحرک افراد میں اصلاح نفس اور تزکیہ نفس کے حصول کی طلب وتڑپ بڑی حد تک مسدود ہوگئی ہے۔ رسمی اسلام تک اکتفا ہوگئی ہے۔ چنانچہ حقیقی اہل اللہ کی خانقاہیں ویران ہیں۔ باصلاحیت طالب نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ دینی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے افراد کے شدید قحط سے دوچار ہوگیا ہے۔

۴۹۔ قرآن کے تقاضے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی صورت

ایک اہم نکتہ جسے زندگی کے ہر موڑ پر سمجھنا اور پیش نظر رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن ہمیں آخرت کی زندگی کی طرف بلاتا ہے۔

- قرآن ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے سلسلہ میں جھنجھوڑتا ہے۔

- قرآن ہمیں سیرت وکردار کی پاکیزگی پر ابھارتا رہتا ہے۔
- قرآن، ہمیں باہمی معاملات کو بہتر طور پر سرانجام دینے کے لئے اکساتا رہتا ہے۔
- قرآن، ہمیں مسلم امت سے وابستہ رہنے اور اس برادری سے رشتہ کو مستحکم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔
- قرآن، ہماری حمیت دین کو ابھارتا اور طاقتور سے طاقتور بناتا ہے۔
- قرآن ہمیں جذبہ جہاد کے لئے تیار کرتا رہتا ہے۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ قرآن کی ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور قرآن وسنت والے مزاج کے استحکام کے لئے ظاہری علم کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے اللہ کے استحضار کا ہونا ضروری ہے، اللہ کے استحضار اور اس کے دھیان کے غلبہ سے ہی فرد میں وہ حساسیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ آخرت کی تیاری کے لئے یکسو ہوجاتا ہے اور ہر وہ چیز، جو اللہ سے ملاقات کے وقت شرمندگی کا باعث ہو، اس سے بچنے کے لئے اس کے مزاج میں مستعدی پیدا ہوجاتی ہے اور دنیا میں غیر معمولی انہماک سے نجات کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

ان ساری چیزوں کا تعلق اللہ کی معرفت سے ہے، اور قلب کے مفتی کو بیدار کرنے سے ہے، یہی معرفت اور بیداریٔ قلب کی یہ حالت عام طور پر اہل اللہ کی صحبت کے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔

۵۰۔ انسانی شخصیت میں سب سے زیادہ طاقتور طوفانی لہریں اور ان کی اصلاح کی صورت

انسانی نفس کی گہرائیوں میں سب سے زیادہ طاقتور طوفانی لہریں جو ہر وقت اٹھتی رہتی ہیں (جو اسے زیر وزبر کردیتی ہیں اور اس کی شخصیت اور معاشرہ کو فساد سے سرشار کردیتی ہیں) وہ عزت، جاہ، جذبہ شہرت، دوسروں پر فوقیت اور بڑے پن کی حیثیت سے معاشرہ میں رہنے اور مقام حاصل کرنے کی طوفانی لہریں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے الفاظ میں یہ نفس ملعون اپنی الوہیت سے کم پر تیار نہیں ہوتا۔

فرعونِ نفس کی اس ادا کی شدت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ دینداری کے روپ میں بھی

وہ اپنی شان، مان، اپنی حیثیت کا استحکام اور اپنے جذباتِ انانیت کی تسکین چاہتا ہے۔ اس طرح بالخصوص باصلاحیت، ذہین ومتحرک افراد کی دینداری کے پس پردہ انانیت کا بت کارفرما ہوتا ہے، جو انہیں دین کے نام پر ایسی راہ پر لے جاتا ہے، جو نفس پرستی کی راہ ہوتی ہے۔

اس طرح کے افراد اگر زیادہ علمی صلاحیتوں کے مالک ہیں تو وہ بہت جلد اپنے نام کی بلندی کی خاطر دین کی ایک نئی تشریح کرنے لگتے ہیں یا دین کے بنیادی معاملات میں ایسی راہ اختیار کرتے ہیں، جس میں سلف وخلف سے ہٹ کر دین کی ترتیب کو الٹ پلٹ کر، اپنے فہم کے دین کا غلبہ ہوتا ہے، اپنی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے معاشرہ سے ان کو پیروکار بھی ملنے لگتے ہیں، جو ان کے نام کی بلندی کا دم بھرتے رہتے ہیں۔

بعض علمی شخصیتیں، دوسری دینی وعلمی شخصیتوں کی تکذیب وتردید میں اپنی قوتیں صرف کردیتی ہیں اور اسے دین کا سب سے اہم فریضہ سمجھکر، یہ کام کرنے لگ جاتی ہیں۔ اس کام میں وہ بڑی سنجیدہ ہوتی ہیں۔ اپنا وقت اور توانائیاں خرچ کرتی ہیں، ان کے دلائل کا ماخذ بظاہر قرآن وسنت ہی ہوتا ہے، لیکن ان کے نفسیاتی تجزیہ سے معلوم ہوگا کہ ان کے کام میں محسوس یا غیر محسوس طور پر بڑے پن کے جذبات کارفرما ہیں۔ نفس نے انہیں اغویٰ کرکے، سب سے فائق اور امتیازی شان ومان کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ اس کی ایک بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ دین کے بعض بنیادی مقاصد میں سلف صالحین سے متضاد راہ پر گامزن ہوتے ہیں اور سلف صالحین کے علمی تبحر، ان کی تقویٰ اور ان کے قرب الٰہی اور ان کے رسوخ فی الدین کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ اس کی دوسری علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ امت میں ایک نئے گروہ کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتے ہیں، جو انہیں دین کا واحد مستند تشریح کا حامل سمجھکر ان کی فکر کو حرف آخر سمجھنے لگتے ہیں۔

نفس کی گہرائیوں میں موجود یہ طوفانی لہریں اتنی شدید ہوتی ہیں کہ راہ سلوک میں برسوں تک چلنے والے افراد کو بھی زیر وزبر کرتی رہتی ہیں۔ اگر کشف اور بہتر خوابوں اور مشاہدات کی راہ کھل جائے تو متوسط صوفی بھی عام طور پر جذبہ انانیت اور بزرگی کی ان طوفانی لہروں کی نذر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ البتہ وہ طالب جو بقا باللہ کے حامل روحانی استاد کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہتا ہے اور مستقل مزاجی سے ان کی صحبت اختیار کرتا

ہے، ایسا متوسط صوفی خوداحتسابی اورنفس کی باریکیوں کے مشاہدہ کی وجہ سے اس کے فساد سے بچنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ اللہ اسے اپنے دوست کی مستقل صحبت کی برکت سے اس پر نفس کے مکر وفریب کے سارے حربے آشکار کردیتا ہے۔ اس طرح کی صوفی کی سب سے بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ سلف صالحین کی قرآن وسنت کی راہ کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ وہ اسباب شہرت سے دور رہتا ہے۔ وہ اہل اللہ کی تکریم کرتا ہے۔اس کی کسی بات اور کسی عمل میں دعویٰ وتکبر نہیں ہوتا۔ وہ مسکین وفقیر کی حیثیت سے زندگی گزار کر رخصت ہوتا ہے۔

بدقسمتی سے اس دور میں انسانی شخصیت کی گہرائیوں میں موجود اس سب سے بڑے روگ کو سمجھنے کے سلسلہ میں غیرمعمولی غفلت کا مظاہرہ ہوا ہے۔ بلکہ علم، ذہانت اور ذاتی طور پر شروع کردہ اذکار کے مجاہدوں نے اس روگ کے فہم کے سلسلہ میں غیرمعمولی حجابات پیدا کردیئے ہیں۔ یہ حجابات حقیقی اہل اللہ کی طویل عرصہ کی صحبت کے بغیر دور ہوسکیں، اس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

ہم جیسا راہ سلوک کا عام طالب، جونفس کی ان شوریدہ طغیانیوں کی صرف شدبد رکھتا ہے، وہ جب اہل اللہ سے نفس کی ان خوفناک طوفانی لہروں اور طغیانیوں کی گفتگو سنتا ہے تو وہ دہشت زدہ ہوجاتا ہے۔ اہل اللہ، عشق ومحبت میں مستغرق ہونے اور غیرمعمولی مجاہدوں کی بات کرتے ہیں اور یہ مجاہدے ہی ہیں، جو ہم سے نہیں ہوتے، اس لئے ہم نفس کے حوالے سے اپنی حالت زار دیکھکر کف افسوس ملنے لگتے ہیں۔ تاہم الحمدللہ، صحبت اہل اللہ سے اتنا ضرور ہوا ہے کہ نفس میں موجود ان قوتوں کا ادراک حاصل ہوا ہے۔ اللہ ہی اپنے فضل خاص سے ان سے بچاؤ کی صورت بھی پیدا فرمائے گا۔

حقیقی اہل اللہ کا کہنا ہے کہ نفس پر ضرب کاری لگانے اور اس کی اصلاح کی صورت ایک ہی ہے کہ باصلاحیت فرد جذبہ انانیت اور نفس کی ساری خواہشات وآرزوؤں سے یکسو ہوکر (ایک طرف ہوکر) راہ سلوک میں داخل ہو، بزرگ بننے، بڑے بننے، دوسری کی تربیت کرنے، قائد ولیڈر بننے، اخبارات میں بیانات دینے، شہرت وپبلسٹی سے کام کرنے وغیرہ ان سارے جذبات سے دستبردار ہوکر، محض اصلاح کی نیت سے راہ عشق میں چلتا رہے تو اس اخلاص اور یکسوئی کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کے لئے راہ سلوک اور اصلاح کا راستہ آسان کردے گا اور قابل ذکر حد تک اصلاح ہونے کے بعد اس سے اس کے

اپنے خاص شعبہ میں خدمت دین کا ایسا کام لے گا کہ بڑے بڑے اداروں کے کام سے بھی بڑا کام ہوگا اور اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے نام کو چمکائیگا، اس لئے کہ اس نے محض اللہ کے لئے اور محض اپنی اصلاح کے لئے ساری چاہتوں، سارے اعزازات اور ساری مادی نوعیت کی شوریٰ شوریٰ سے دستبرداری اختیار کرلی تھی، اس کے انعام کے طور پر ہی اسے نوازا جائے گا، لیکن اپنے عالم ہونے، اپنے صاحب تصنیف وتالیف ہونے، اپنے بڑے ہونے، جلد سے جلد دوسروں کی تربیت کے کام پر فائز ہونے کے جذبات واحساسات کے ساتھ نہ تو اصلاح کی صورت پیدا ہوسکتی ہے اور نہ ہی معارف وحقائق کی راہ کھل سکتی ہے۔

بدقسمتی سے اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے قبل از وقت بزرگ بننے اور قائد بن کر کام کرنے کی راہیں اختیار کی جاتی ہیں۔ اس صورت میں فرد اپنی ذہنی وعلمی صلاحیتوں اور کچھ مجاہدوں کی وجہ سے بزرگ تو بن جاتا ہے، اسے معتقدوں کا گروہ بھی مل جاتا ہے، لیکن دیکھا گیا ہے کہ فنائیت کے سارے مراحل طے کئے بغیر اس طرح کے افراد کو نفس کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے مکاشفوں اور بزرگی کے واقعات سنا سنا کر، لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیتا ہے، یاعملیات اور تسخیری نسخوں کے ذریعہ وہ مرید بنانے اور حصول دولت کی راہ پر گامزن ہونے لگتا ہے۔

۵۱۔ طالب کا روح کے پیدا کردہ احساس اذیت سے گذرتے رہنا

راہ سلوک ومحبت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ طالب کو زندگی کے ہر موڑ پر نفس وروح دونوں کی پسند وناپسند، خوشی واذیت اور مسرت وغم کے احساسات کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ نفس نے جب بھی خودنمائی، خودبینی، جذبہ شہرت، ریا، انا، حرص وہوس، بے صبری اور ناشکرے پن کا مظاہرہ کیا اور خلاف شرع کام کیا، اسی وقت روح طالب کو ملامت کرنا شروع کردیتی ہے اور اسے شدید غم کے احساسات سے دوچار کردیتی ہے۔

چنانچہ روح کے پیدا کردہ احساس اذیت وغم سے طالب، نفس کو تنبیہ کرکے توبہ واستغفار کرکے آگے بڑھتا رہتا ہے۔

مبتدی طالب کو نفس وروح کے درمیاں اس کشمکش سے زیادہ شدید طور پر گزرنا پڑتا

ہے، اس لئے کہ اس کا نفس طاقتور ہوتا ہے، جب کہ اس کی روح کمزور ہوتی ہے۔ ذکر وفکر کے مجاہدوں میں اضافہ سے جب طالب حالت توسط میں آتا ہے تو اس کے روح کی لطافت کے احساسات میں تیزی آنے لگتی ہے اور نفس کی طرف سے حب جاہ وحب مال، جذبہ شہرت وریا وخودنمائی وغیرہ کے معمولی جذبات واحساسات سے بھی روح کی اذیت، غم وغصہ اور اس کی شدت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ نفس کے پس پردہ روح کی طاقت موجود ہے، جو قدم قدم پر نفس پرستی کی قوتوں کے محاسبہ کا فریضہ سرانجام دیتی رہتی ہے۔

ہر گناہ وہ چاہے ظاہری ہو یا باطنی، بداخلاقی کی صورت میں ہو یا ذکر وعبادت سے غفلت کی صورت میں، اس سے اگرچہ نفس حلاوت محسوس کرتا ہے، لیکن نفس کی اس حلاوت میں ظلمات وسیاہی بھری ہوتی ہے۔ جس سے روح شدید اذیت سے سرشار ہوجاتی ہے۔ روح کی یہ اذیت طالب کو ہر طرح کے گناہ سے باز آنے پر اکساتی رہتی ہے۔

نفس کے خلاف طالب کی معرکہ آرائی کو خوفناک خونی معرکہ آرائی سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ طالب ہر وقت اس معرکہ آرائی سے دوچار رہتا ہے، اور برسوں تک وہ نفس کے ساتھ شدید حالت جنگ میں رہتا ہے۔ اسے زندگی کے ہر موڑ پر جو تجربہ ومشاہدہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ فرعون نفس **"انا ربکم الاعلیٰ"** سے کم پر کسی طرح راضی نہیں۔ طالب کو فرعون نفس کی اس دعویٰ سے بچاؤ اور نفسی قوتوں کو پوری طرح اللہ ورسول کی اطاعت میں دینے کے لئے جو صبر آزما مجاہدے کرنے پڑتے ہیں، وہ سارے مجاہدوں سے بڑھکر مجاہدے ہیں۔ جب تک اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے کا راستہ آسان نہیں ہوتا، سیرت وکردار میں پاکیزگی پیدا نہیں ہوتی اور جملہ باطنی امراض سے بڑی حد تک نجات حاصل نہیں ہوتی، اس وقت تک نفس کے خلاف طالب کے صبر آزما مجاہدے جاری رہتے ہیں، البتہ نفس مطمئنہ کے مقام کے قریب آنے کے بعد نفسی قوتوں پر روحانی وملکوتی قوتیں بڑی حد تک غالب ہوجاتی ہیں۔ اسے اصطلاح میں حالت فنا سے حالت بقا کا سفر بھی کہا جاتا ہے۔

اس مقام پر پہنچ جانے کی باوجود اگرچہ نفس کی قوت موجود ہوتی ہے، لیکن نفس کی

شدت ختم ہوجاتی ہے۔

نفس پر روح اور روحانی قوتوں کو غالب کرنے کا طالب کا یہ سفر ایسا ہے، جسے الفاظ کا روپ دینا ممکن ہی نہیں۔ یہ ایک عملی سفر ہے۔ جو اس سفر سے گذرتا ہے، اس کی زبان گنگ ہوجاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی شکر ادائیگی سے قاصر ہوتا ہے، جس نے اسے اپنے فضل خاص سے نفس کی جہنم کی گھاٹیوں سے خیر وخوبی سے گزارا اور اس جہنم کا ایندھن بننے سے بچایا، اس ذات سے امید ہے کہ وہ مخلص طالب کو آخرت کے عذاب وعتاب سے بھی محفوظ رکھے گی۔

بات نفس کی خوشی اور روح کی حلاوت سے شروع ہوئی تھی۔ دوران سفر طالب، روزانہ روح کی حلاوت سے سرشار ہوتا رہتا ہے، ذکر میں استغراق اور نیکی کے ہر کام سے روح کی حلاوت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، مبتدی طالب چونکہ نفس کی شدید گرفت میں ہوتا ہے، اس لئے اس پر نفس کی ظلمات کا غلبہ ہوتا ہے اور اسے روح کی حلاوت کا احساس کم ہوتا ہے۔ متوسط طالب ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ذریعہ نفس کے خلاف حالت جنگ میں ہوتا ہے۔

اس حالت جنگ میں اگرچہ نفس کے خلاف اسے آئے دن کچھ نہ کچھ فتحیابی ہوتی رہتی ہے، لیکن وہ اس سفر کی تھکاوٹ کے شدید اثرات کی زد میں ہوتا ہے۔

اس کی روح خوشی سے محظوظ ہوتی رہتی ہے، لیکن اس پر سب سے زیادہ غم جو طاری رہتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ کہیں نفس کے خلاف اس معرکہ آرائی میں شکست سے دوچار نہ ہو اور وہ مادی قوتوں کے رحم وکرم کے حوالہ نہ ہو، یہ غم اسے روح کی سچی حلاوت سے فیضیاب ہونے نہیں دیتا۔ لیکن جوں ہی طالب نفس مطمئنہ کے ابتدائی مقام پر آتا ہے، اس کے سارے غم غلط ہوجاتے ہیں، اس کی روح، نفس پر فاتح ہونے کی خوشی سے لبریز ہوجاتی ہے۔ تاہم محبوب حقیقی کی شان عظمت کے قریبی مشاہدہ اور نفس کے طویل تجربات کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو خوف وامید کی حالت میں رہنے پر مجبور پاتا ہے۔ طالب کی یہی ادا محبوب کو پسند ہے۔

۵۲۔ شہرت کے نتیجہ میں ملنے والی سزا

راہ سلوک میں استقامت سے چلتے رہنے سے ایک اہم بات، جو اہل اللہ پر منکشف

ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو شہرت کے ذرائع اختیار کرے گا۔ وہ چاہے کتنے ہی اخلاص نیت سے کیوں نہ اختیار کرے۔ چاہے اس میں کتنا ہی دعوتی جذبہ شامل ہو، وہ خطرات کی زد میں آئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بالخصوص موجودہ دور کے شہرت کے ذرائع تو فرد کے لئے ہر صورت میں ابتلا وآزمائش ہیں، اس لئے اہل اللہ نے ہر دور میں شہرت سے بچنے کی کوشش کی ہے، ان کی اس کوشش کے باوجود اللہ نے شہرت کے اسباب اختیار کئے بغیر انہیں چمکایا ہے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دی ہے۔ اہل اللہ شہرت ومقبولیت سے اس لئے بھی ڈرتے ہیں کہ اس سے سویے ہوئے نفس کی خواہشیں بیدار ہونے کا خطرہ درپیش ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ اس سے دولت کی راہیں کھلتی ہیں، جس سے فرد کے لئے دولتمندی کے اثرات سے بچنا دشوار ہے۔

یہ نکتہ ایسا ہے جس کا ادراک علم کے بڑے سے بڑے ذخیرہ سے بھی ممکن نہیں۔ اس طرح کی بہت ساری باتیں ہیں، جو مجاہدوں کے نتیجہ میں اہل اللہ پر منکشف ہوتی ہیں۔

۵۳۔ وقت کی سب سے اہم ضرورت

حقیقی اہل تصوف کی نظر میں اس وقت جبکہ پوری دنیا میں اسلام، کفر کی طاقتوں کا نشانہ بنا ہوا ہے اور انٹرنیٹ نے ہر موضوع پر معلومات کا خزانہ کھول دیا ہے، ایسے دور میں وقت کے تقاضوں اور جدید ذہنیت (ذہنی سطح) کو سمجھے بغیر دین کا کام کرنا مشکل ہے۔

اسلام کی راہ میں دوسری مشکل جو اس وقت درپیش ہے، وہ گروہوں، اور مسلکوں کی حدبندیاں ہیں، جو امت کو تقسیم در تقسیم کرنے کا ذریعہ بن رہی ہے، جدید نسل اس گروہ بندی کو دیکھکر سرے سے اہل دین ہی سے دور ہورہی ہے، اس لئے کہ مسلکی اور گروہی اسلام کے حاملین سمندر میں جزیرہ بن کر رہنے پر مصر ہیں، ان کے پاس لوگوں کو جوڑنے اور معاشرہ میں مل جل کر رہنے کا کوئی پیغام نہیں ہے۔

تیسری چیز عام طور پر علماء وصوفیا کی دنیا کے حوالے سے روش ہے کہ نئی نسل جب ان کے قریب آتی ہے تو ان کے مال کے مظاہر کی وجہ سے ان سے مزید دور ہوتی جارہی ہے۔

اہل تصوف کی نظر میں اس دور میں بالخصوص خدمت دین کے لئے گروہی وابستگی سے بلند ہوکر، انسانیت کی دنیا وآخرت کی بہتری کے جذبہ کے ساتھ کام کرنا ضروری ہے۔

بلکہ یہ وقت کا سب سے بڑا تقاضا ہے، ورنہ نئی نسلوں کو سنبھالنا مشکل ہے اور وہ تیزی سے ہاتھوں سے نکلتی جارہی ہے۔ علماء اور صوفیاء کا حب مال سے بچنا بھی ضروری ہے۔ نئی نسلیں دین کے روپ میں دنیاوی مظاہر کو کسی صورت میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

۵۴۔ تصوف واحسان پر زور دینے کا اصل سبب

تصوف واحسان پر زور دینے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی ہماری کاوشوں کا سبب یہ ہے کہ اسلام کے اس باطنی شعبہ سے دوری وبے نیازی کے نتیجہ میں معاشرہ میں خودغرضی، نفسانفسی، سنگ دلی، قساوت قلبی، ایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل کی حرکتیں، دولت کی خاطر انسانیت کی پامالی، رشتوں کے تقدس کے خاتمہ اور خود اعتمادی کے بحران کے ساتھ ساتھ نفسیاتی بیماریوں کی ایسی وبا پھیل جائے گی (جو بڑی حد تک پھیل چکی ہے) کہ انسانیت ماتم کناں ہوگی اور معاشرہ حیوانوں ودرندوں کے معاشرہ میں تبدیل ہوجائے گا اور اہل مغرب کی طرح ہر محلّہ میں نفسیاتی ماہروں کی دکانیں سجیں گی اور لوگ بے بسی کے منظر کے ساتھ نفسیاتی ماہروں سے رحم کی بھیک مانگیں گے کہ ان کی نفسیاتی، ذہنی، دلی اور روحانی حالت کی بہتری کی کوئی صورت پیدا ہو۔ لیکن نفسیاتی ماہر جو خود روحانی واخلاقی وباطنی امراض کا شکار ہوتے ہیں، وہ افراد کے کس کام آسکتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ روح کو محبوب حقیقی کے انوار حسن کی غذا دیئے بغیر انسان، خودغرضی ونفسانفسی میں درندوں سے زیادہ بدتر منظر پیش کرنے لگتا ہے اور اس معاملہ میں علم، ذہانت، استدلال اور معلومات خاص کام نہیں آتی، انسان کی خودشعور ہستی یعنی روح تو اللہ کے ذکر وعبادت کے ذریعہ محبوب کے انوار حسن کی بھوکی ہے، روح تو تخلقوا بااخلاق اللہ یعنی اللہ کے اخلاق کے اجزاء سے بہرہ ور ہونا چاہتی ہے، روح تو اپنے مولا اور آقا کی صدق دلی سے اطاعت کے ذریعہ تسکین چاہتی ہے۔

روح، مال ودولت، مادی حسن، مادی ترقی اور دنیا بھر کی معلومات کو کیا کرے گی۔ ان چیزوں سے اسے اطمینان کہاں نصیب ہوگا۔ اسے تو صبر وشکر، رحمت وشفقت، محبت ومعرفت اور اخلاص وبے نفسی کے پاکیزہ احساسات چاہئے، اسے تو انسانیت نوازی، حسن اخلاق اور رونق کردار چاہئے، روح کی تسکین کے اصل ذرائع تو یہی ہیں، جو عبادت، ذکر وفکر کے ذریعہ محبت وعشق میں استغراق کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔

دوسری صورت میں روح جو اصل انسان ہستی ہے، وہ شدید مشتعل ہوجاتی ہے، وہ اپنا یہ اشتعال دل، دماغ، نفسیات اور اعصاب وغیرہ کی طرف منتقل کرکے ان سب کو مریض بنادیتی ہے۔

ہمارا معاشرہ اس نکتہ کو سمجھنے سے جس قدر غفلت یا اعراض کا مظاہرے کرے گا، اسی قدر وہ نفسی قوتوں کے ذریعہ اپنی پامالی وتباہی کا سامان پیدا کرتا رہے گا۔

جو بات کہی گئی ہے، وہ کچھ اندیشوں اور مفروضوں کی بنا پر نہیں کہی گئی ہے، بلکہ معاشرہ اس کی زندہ تصویر پیش کررہا ہے۔ ہمارا روزمرہ مشاہدہ ہے کہ روحانیت سے محروم مالدار ہوں یا اہل علم واہل دانش، حکمراں ہوں یا افسر، ان میں سے ہر ایک اپنی ذات کے لئے، اپنے عزیز واقارب اور خود معاشرہ کے لئے اذیت بلکہ وبال کا موجب بن گیا ہے، اس لئے کہ حرص وہوس کے بے قابو جذبات، حب جاہ وحب مال کی نفسیات اور دعویٰ وتکبر کی بیماری نے ان سے اوصاف حمیدہ اور انسانیت نوازی کے جوہر سلب کر لئے ہیں۔ دولت ان کا معبود بن چکی ہے اور لذت کام ودہن ان کا نصب العین ہو چکا ہے۔

ایسی دولت، ایسی افسری، ایسی حکمرانی، ایسا علم جس میں فرد وافراد اللہ کی بے کس مخلوق کے کام نہ آسکیں، وہ عذاب سے کم نہیں۔

یہ سب نتیجہ ہے، روح کی ضروریات کو سمجھکر، اسے اس کی غذا نہ دینے کا۔ تصوف واحسان دراصل انسان کی انہی بیماریوں سے بحث کرتا ہے۔ اور انہی بیماریوں کا علاج کرکے، اسے بہتر وپاکیزہ انسان بنانے کا کردار ادا کرتا ہے۔

اس دور کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ دینی جماعتوں کو تحفظ اسلام اور ملت کے کاموں کے لئے باصلاحیت افراد دستیاب نہیں ہوتے، اگر ملتے بھی ہیں تو مزاج کی خرابیوں اور اناؤں کے ٹکراؤ سے وہ جلد ہی جماعتوں میں ٹوٹ پھوٹ کا ذریعہ بن جاتے ہیں، اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ تحفظ اسلام، احیائے اسلام اور ملت کے کاموں کا تعلق اخلاص، للھیت، بے نفسی، تزکیہ اور سیرت وکردار کی پاکیزگی سے ہے، اخلاص، تزکیہ اور سیرت وکردار میں پاکیزگی اہل اللہ کی صحبت ومعیت اور ان کی زیرنگرانی ذکر میں ذوق وشوق کے بغیر دشوار تر ہے۔ اگر اس نکتہ کے فہم کی صورت پیدا ہوجائے تو دینی جماعتیں خود اہل اللہ کی خدمات کے حصول کے لئے متفکر ومتحرک ہوسکتی ہیں۔ اس لئے کہ اس کے بغیر معاشرہ میں دینی جماعتوں کا مستحکم وطاقتور ہونا کار دارد ہے۔

ایک ماڈرن صوفی کی کہانی

جدید دور میں تصوف کے نام پر دکانداری کی جو روش جاری ہے، اس نے امت کے اس پاکیزہ ادارہ کے وقار وشرف کا مجروح کردیا ہے، یہاں تک کہ اب تصوف واہل تصوف کی ضرورت اور اس سے استفادہ کی بات کرنا ہی دشوار ہوگیا ہے۔

عالمی سطح کے ایک ماڈرن سرمایہ دار صوفی نے اپنے کردار سے تصوف کو جو نقصان پہنچایا ہے، اس کے ازالہ کی شاید ہی کوئی صورت پیدا ہو سکے، عالمی استعمار سے مل کر دنیا بھر کے مسلمانوں کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھنے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے والی حکومت کے خاتمہ کے لئے سازشی کردار ادا کرنا، اس صوفی نے اپنے اس کردار سے اہل تصوف کی ساکھ کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔

اس طرح کے ماڈرن صوفی ایک نہیں، کئی ہیں، اس طرح کے ماڈرن صوفیوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ تصوف کے مسلمہ سلسلوں کے بزرگوں کی طویل عرصہ کی صحبت کے ذریعہ اصلاح نفس کے مراحل سے گزرے بغیر محض اوراد ووظائف کی مشقوں سے صوفی بن کر سامنے آئے ہیں، چونکہ وہ ذہنی وفکری، علمی وخطیبانہ صلاحیتوں میں ماہرانہ صلاحیتوں کے حامل ہوئے ہیں، اس لئے اوراد ووظائف کے ذریعہ حاصل ہونے والی تاثیری وتسخیری صلاحیتوں کو انہوں نے پیری مریدی کے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔

بزرگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ تصوف کے مسلمہ سلسلوں کے بقا باللہ کے حامل کسی بزرگ کی زیرصحبت طویل عرصہ کے مجاہدوں کے ذریعہ نفسی قوتوں کو پامال کئے بغیر کوئی بھی فرد صوفی یا بزرگ نہیں بن سکتا۔ صوفی یا مربی ومزکی، شیخ یا مرشد بننے کے لئے انا، شیخی اور حب مال جیسے بتوں سے آخری حد تک نجات ضروری ہے، دوسری صورت میں اس مسند پر فائز ہونے والا فرد اپنے لئے معاشرہ کے لئے اور اسلام وملت کے لئے المیہ بن جائے گا۔

چونکہ مجاہدوں کے ذریعہ نفسی قوتوں کی پامالی کا عمل دشوار تر عمل ہے۔ یہ زہد، فقر اور دنیا واہل دنیا سے بے نیازی کی راہ ہے۔ اس لئے اس راہ پر چل کر نفسی قوتوں کی فنائیت

کے مراحل سے گزرے بغیر نفس نے یہ راہ سجھائی ہے کہ بعض وظائف پر مداومت سے تاثیری وتسخیری صلاحیتیں حاصل کی جائیں، اس طرح پیری مریدی کی راہ آسان بھی ہوجائے گی تو حب جاہ وحب مال کے مقاصد کی تکمیل کی صورت بھی پیدا ہوجائے گی۔

ماڈرن صوفیوں کے اس کردار اور اس منظر کو حقیقی درویش، اہل اللہ اور فقیر منش صوفی دیکھکر عبرت حاصل کررہے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کررہے ہیں کہ اس نے انہیں شہرت سے بچایا ہے کہ لوگ انہیں پہچانتے نہیں، اس طرح مریدوں کے جم غفیر سے بچکر وہ اپنی اصلاح اور درویشی وفقیری کی راہ پر گامزن ہیں۔ یہ محض اس کا فضل ہے کہ اس نے اس پُر فتنہ دور میں انہیں بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے اور زہد وفقر کی راہ پر گامزن کرنے کی سعادت نصیب فرمائی ہے۔ اس طرح کے اہل اللہ جن کی غلامی کی سعادت ہمیں بھی حاصل ہے، ان کی بدولت ہی کائنات کا یہ نظام اور یہ رونق قائم ہے۔ حدیث شریف ہے کہ قیامت کا قائم نہ ہوگی، جب تک دنیا میں ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے۔

جن ماڈرن صوفی کی بات ہورہی ہے، وہ اور انہی کی طرح کے دوسرے ماڈرن صوفیوں کی ابتلا وآزمائش میں آنے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انہوں نے تصوف واہل تصوف کے متعین کردہ اصولوں کی خلاف ورزی کرکے، نیا جعلی تصوف ایجاد کیا، جس میں سلاسل کے مجاہدے حذف کردیئے گئے۔ شہرت سے بچکر گمنامی کی راہ سے فرار اختیار کیا گیا۔ حصول دولت کی کوششیں شروع کردی گئی، انہوں نے یہ نہ دیکھا گیا کہ یہ دولت مقامی وعالمی سرمایہ داری طرف سے کن مقاصد کے لئے حاصل ہورہی ہے۔ ان ماڈرن صوفیوں نے تصوف کو خواہشات نفس کا ذریعہ بنایا۔ جس کی سزا کے طور پر انہیں دنیاداری کی راہ پر لگادیا گیا، انہیں دنیا وشہرت تو مل گئی، لیکن انہیں کردار کے بحران سے دوچار کردیا گیا اور امت کی سنجیدہ علمی، روحانی شخصیتوں اور خود عام لوگوں میں ان کے احترام ووقار کو مجروح کردیا گیا، تصوف واہل تصوف وصوفیت کو جو شخص بھی خصیص دنیاوی مقاصد کے لئے استعمال کرے گا، اس کا حشر اس کے علاوہ دوسرا ہو سکے، ممکن نہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس حشر سے بچائے)۔ آمین

عالمی سطح کے جن ماڈرن صوفی کی بات کی گئی، وہ غیر معمولی ذہنی وعلمی وخطیبانہ

صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ۶۵ سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں تصوف کے موضوع پر کئی کتابیں شامل ہیں۔

موصوف کی کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوکر چھپی ہیں، اردو وسندھی زبان میں بھی ان کی کتابیں دستیاب ہیں، یہ ماڈرن صوفی ڈاڑھی جیسی سنت کو جو سارے اہل اللہ کا امتیازی شان رہی ہے، اسے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ صوفی کفر کی عالمی قوتوں کو اسلام، اور مسلم امت کے لئے خطرہ نہیں سمجھتے، اس لئے کہ وہ ان کی سرپرستی میں رہ کر کام کرنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ یہ صوفی فلسطین میں اسرائیل کے بے پناہ مظالم کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ یا کم از کم ان مظالم پر احتجاج کو غلط سمجھتے ہیں، یہ صوفی عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اسلام کے لئے ان کی سرگرمیوں کو باعث تشویش نہیں سمجھتے، بلکہ اسلام کی اس طرح کی ایڈیشن کی تیاری کے لئے کوشاں ہیں، جس میں سارے غلط مذاہب کی صورت وگنجائش پیدا ہو سکے۔

یہ صوفی امریکہ میں۔۴۰۰ سو ایکڑ کی ذاتی اسٹیٹ ۳۰۰۲ ہزار کنال کے گھر میں رہ رہا ہے امریکہ میں اس کی ۱۲۹ اسکول ہیں جن کی آمدنی ۴۰۰ سو ملین ڈالر ہے۔ ۱۹۱۳ء کی رپورٹ کے مطابق اس کی سالانہ آمدنی تین بلین ڈالر یعنی تین ہزار کھرب روپے تھی۔

موصوف کے دنیا بھر میں ماڈرن سکول قائم ہیں۔ جن میں مذہبی تعلیم کم سائنسی تعلیم زیادہ دی جاتی ہے۔ ان سکولوں سے نکلنے والے افراد ان کی فکر سے تو ضرور متاثر ہوتے ہیں، لیکن اس دور میں اسلام اور مادیت پرست قوتوں کے درمیاں جو کشمکش جاری ہے، اس میں ان کا وزن اسلام کے حق میں شامل نہیں ہوتا، بلکہ ان کی نظر میں بہتر مادی زندگی ہی مقصود کی حیثیت رکھتی ہے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ اس طرح کے ماڈرن صوفی معاشرے میں کافی موجود ہیں۔ جو عالمی سرمایہ دار یا ان کے اشارہ ابرو پر مقامی سرمایہ دار کی سرپرستی میں پھل پھول رہے ہیں اور شان ومان کی زندگی ان کا ہدف بن چکی ہے۔

مذکورہ ماڈرن صوفی اور انہی کے طرح کے دوسرے ماڈرن صوفیوں نے تصوف کے موضوع پر جو کتابیں لکھی ہیں، ان میں راہ سلوک کے مراحل، طالب کی کیفیات وحالات اور عشق ومحبت کی باتیں، صبر وشکر کے مقامات، معرفت کے حقائق وغیرہ یہ ساری چیزیں

موجود ہیں، جو بزرگوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں اور جو تصوف کا حاصل اور اس کا جوہر ہیں۔ یہ صوفی، اکابر بزرگوں کی کتابوں کے مطالعہ اور اپنی غیرمعمولی ذہانت سے تصوف کا جوہر پیش کرنے میں تو کامیاب ہیں، لیکن نفس کی شوریدہ قوتوں سے مقابلہ کرکے درویشانہ زندگی پر عامل ہونے کی صلاحیت واستعداد سے محروم ہیں، ان کی زندگی کا کردار مسلم ریاستوں میں فساد برپا کرنا، حکومتوں کو متزلزل کرنے کی حرکتیں کرنا، اس مقصد کے لئے دنیادار سیاستدانوں کی طرح کے حربے اختیار کرنا، زیادہ سے زیادہ مال بنا کر کروڑپتی سے ارب پتی بننے کا کاوشوں کا ہونا، یہ ساری چیزیں اس بات کی علامت ہیں کہ وہ تصوف کی اصلیت اور اس کی فقر وزہد کی حلاوتوں سے ناآشنا ہیں۔ اگر وہ غیرمعمولی مجاہدوں کے ذریعہ تصوف کی ان حلاوتوں سے بہرہ ور ہوتے تو وہ مال ودولت اور دنیاوی فتوحات کی خواہشوں اور ان کے لئے کاوشوں سے محفوظ ہوتے، جس طرح بزرگان دین ہمیشہ محفوظ رہے ہیں۔

مسلم تاریخ میں اہل تصوف کے کردار کا سب سے اہم پہلو یہ رہا ہے کہ معاشرہ میں جب بھی مادی خوشحالی، مادی نعمتوں سے آخری حد تک بہرہ ور ہونے اور دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینے کے رجحانات ومیلانات میں اضافہ ہوتا رہا ہے، بلکہ اس کی دوڑ شروع ہوئی ہے تو اس وقت اہل تصوف نے اپنے پاکیزہ کردار، اپنی غیرمعمولی روحانی قوتوں اور خود اختیار کردہ فقر کی روش سے ان میلانات کی روک تھام کا کردار ادا کیا ہے، اور وہ رجوع اللہ کی تحریک اور سادہ زندگی اور یقین ومعرفت کے میلانات کے فروغ کا ذریعہ بنے ہیں۔

اس اعتبار سے ماڈرن صوفیوں کے کام کو دیکھکر دکھ ہوتا ہے کہ ان کے تصوف میں یہی چیز ہے، جو موجود نہیں ہے۔ حالانکہ معاشرہ کو اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مادی زندگی پر مرمٹنے کی جو ادائیں جاری ہیں، اللہ کی محبت کے زیر اثر ان اداؤں پر ضرب کاری لگائی جائے اور انسانیت کو پامال کرنے والی مادی خوشحالی کی دوڑ پر قدغن لگائی جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس پُرفتن دور میں ہمیں ہر طرح کے فتنوں سے بچائے اور سلف صالحین کی قرآن وسنت کی راہ پر گامزن فرمائے۔ (آمین)

تصوف اور اس کے حقیقی خدوخال

معاشرہ کو متحرک کرنے کی صورت

تصوف، صحبت اہل اللہ اور ذکر وفکر کے ذریعہ اللہ کی محبت کے ارتقائی مراحل طے کرکے، نفس مطمئنہ تک رسائی کا ذریعہ ہے اور یہ ساری چیزیں یعنی صحبت اہل اللہ، ذکروفکر، اللہ کی محبت اور نفس مطمئنہ قرآن وسنت ہی سے ماخوذ ہیں۔

تصوف کے کچھ بنیادی اہداف یہ ہیں۔

(۱) سب سے پہلا اور ابتدائی ہدف فرد کی اپنی ذات ہوتی ہے کہ اپنے نفس کو مہذب بنایا جائے اور اس کے شر اور فساد سے افرادِ معاشرہ کو بچایا جائے۔

ابتدا میں اگر فرد اپنی ذات سے اپنے عزیز واقارب، دوست واحباب اور ملنے جلنے والوں کے لئے تکلیف واذیت کا موجب نہیں بنتا تو یہ بجائے خود بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔ لیکن یہ سعادت آسانی سے حاصل نہیں ہوتی، اس کے لئے کافی مجاہدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

(۲) اس پہلے ہدف کے بعد دوسرا ہدف جو دوسرے مرحلہ سے تعلق رکھتا ہے، وہ یہ ہے کہ فرد اپنی ذات سے افرادِ معاشرہ کے لئے نفع رسانی کا موجب ہو، اس کی ذات سے دوسروں کو خیر وبھلائی حاصل ہو۔ دوسرے ہدف تک پہنچنے کے لئے نفس کے خلاف کافی عرصہ تک جنگ کرنی پڑتی ہے اور یہ جنگ ذکروفکر کے مجاہدوں اور ذکر وفکر کے ہتھیاروں سے ہی لڑی جاتی ہے۔

(۳) تیسرا ہدف یہ ہے کہ فرد جس شعبہ سے بھی وابستہ ہو، اس شعبہ میں حکمت وسلیقہ سے دعوتی عمل شروع کردے۔

اس مقام تک پہنچنے کے لئے بھی غیرمعمولی مجاہدوں کی ضرورت ہے، اس لئے کہ غصہ، جھنجھلاہٹ، اشتعال، سختی اور بحث ومباحثہ کی آمیزش دعوتی عمل کے لئے سخت نقصاندہ

ثابت ہوسکتی ہے۔ اس طرح فرد، دعوتی کام کے آغاز میں متنازعہ بن سکتا ہے، اس لئے دعوتی عمل کی اجازت ہر طالب کو نہیں ہوتی، مربی جس طالب میں یہ استعداد دیکھتا ہے، اسے اس کی اجازت دیتا ہے۔

(۴) ملت کے بہت سارے شعبے ہیں اور ملت کی بہت ساری ضروریات ہیں۔ تجارت کا شعبہ ہے، سیاست کا شعبہ ہے، تعلیم کا شعبہ ہے، انتظامی امور کا شعبہ ہے۔ سماجی خدمت کا شعبہ ہے، سائنس وٹیکنالوجی کا شعبہ ہے، اور صحافت کا شعبہ ہے، وغیرہ وغیرہ، اہل تصوف کا کہنا ہے کہ ان سارے شعبوں سے سے وابستہ افراد میں انسانیت کا جوہر اجاگر کرنے اور دیانت کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے اخلاص اور ایمان ویقین کی گہرائیوں اور معرفت کے قابل ذکر اجزاء کا ہونا ضروری ہے، معرفت کے اجزاء کے بغیر ریاست کے سارے شعبے بددیانتی، لوٹ مار اور حب جاہ وحب مال اور حرص وہوس کے مناظر ہی پیش کریں گے، ان سے خیر کی امید رکھنا دشوار ہے اور معرفت کے اجزا مربی ومزگی کی صحبت ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

یہ ایسا نکتہ ہے، جسے سمجھنے کے لئے مادی عقل کافی نہیں، اس کے لئے دل کی صلاحیتوں کو بیدار کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ مادی عقل، فرد کو زندگی بھر ظاہری علم، قیل وقال اور استدلال کی بھول بھلیوں میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بن کر رہ جاتی ہے۔

(۵) ذکر اور خدمت دین یہ دونوں کام ایک دوسرے کا لوازمہ ہیں، لیکن جس طرح قائدہ پڑھنے والا بچہ دوسروں کو تعلیم نہیں دے سکتا۔ دوسروں کو تعلیم دینے کے لئے اسے کم ازکم چار پانچ سال تک صبر سے پڑھنا پڑتا ہے، چار پانچ سال کی پرائمری تعلیم کی تکمیل کے بعد کہیں جا کر وہ دوسروں کو پہلی کلاس پڑھانے کے قابل بنتا ہے، اسی طرح ذکر کے نور سے ایک حد تک بہرہ ور ہوئے بغیر خدمت دین کے کام کی استعداد حاصل نہیں ہوسکتی، اگر فرد آغاز میں ہی یہ کام ہاتھ میں لے گا تو ذکر کے نور سے نفس کی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ خدمت دین کے نام پر لوگوں سے الجھتا رہے گا، اور ضد اور ٹکراؤ کا

شکار ہوکر فساد کا ذریعہ بن جائے گا۔

(۶) تصوف، دراصل اللہ کی محبت کی راہ ہے۔ راہ محبت میں چلتے رہنے کے ذریعہ فرد پر نفس کی بے پناہ قوتوں کے شعور کے ساتھ ساتھ نفس میں موجود نئے نئے بتوں کی موجودگی کا ادراک ہونے لگتا ہے اور ان بتوں کے توڑ پھوڑ کی جدوجہد میں تیزی آنے لگتی ہے۔

(۷) تصوف معرفت کی راہ ہے، جس میں کثرت ذکر کے ذریعہ نفس پر روح کے غلبہ کی صورت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اور روح کی خصوصیات، اس کی ضروریات، محبوب کے لئے اس کی اضطرابی حالت اور فرد کی خود شعور ہستی کے سارے مقتضیات کا پوری طرح ادراک ہوتا ہے اور ان ضروریات کی تکمیل وتشفی کی صورت بھی پیدا ہوتی رہتی ہے۔

(۸) تصوف فنائیت کی راہ ہے، جس میں فرد اپنی شخصیت کو پامال کردیتا ہے اور بالکل مٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو لاشئ سمجھنے لگتا ہے، اپنی ہستی، اپنے وجود اور اپنی رائے کی نفی کردیتا ہے۔ اپنی ذات کو مٹانے کا عمل سب سے زیادہ دشوار گذار عمل ہوتا ہے۔ اس کے لئے صوفی کو آگ کے سمندر سے گذرنا پڑتا ہے۔ جب فرد کا وجود اور اس کی ہستی مٹ جاتی ہے۔ انانیت کا بت ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ عاجزی وانکساری اور اپنی سیہ کاری اور اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ حقیر ہونے کا استحضار غالب ہوجاتا ہے تو وہ یہ مقام ہوتا ہے، جہاں صوفی کو اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے، یہ نعمت اپنی ہستی اور اپنے وجود کے مٹانے کی قیمت پر ہی نصیب ہوتی ہے، اس طرح کا صوفی اپنی ذات اور افرادِ معاشرہ کے لئے باعث خیر وبرکت ثابت ہوتا ہے۔

(۹) تصوف، باطن میں ڈوب کر اندر سے موتی وجواہر لانے کا ذریعہ ہے۔ انسان کے باطن کی وسیع دنیا سمندر سے مشابہت رکھتی ہے، جہاں مگرمچھ بھی رہتے ہیں تو موتی وجواہر بھی موجود ہوتے ہیں، ان مگرمچھوں سے مقابلہ کرکے ہی فرد موتی وجواہر تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

(۱۰) تصوف، سلیقہ انسانیت اور آداب انسانیت سے بہرہ وری کا ذریعہ ہے۔ سلیقۂ انسانیت کی راہ میں نفس کی حیوانی وجبلی قوتیں ہی رکاوٹ ہیں۔ ذکر وفکر کے مجاہدوں سے جب فرد جبلی قوتوں کو مطیع بنانے میں کامیاب ہوتا ہے تو اس پر فطرت سلیمہ اور اس کی لطیف قوتیں آشکار ہوجاتی ہے، فطرت سلیمہ دراصل رحمانی قوتوں کی معیت میں زندگی گذارنے کا نام ہے۔

(۱۱) تصوف واحسان، علم کی سطح سے آگے بڑھکر مشاہدہ حق کی صورت ہے، جو ذاتی مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ان تعبد اللہ کانک تراہ (اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو) یہ حدیث شریف اس کی واضح مصداق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت اور ذکر وفکر کی گہرائیوں سے قلب، انوار الٰہی کی تجلیات سے اس طرح فیضیاب ہوسکتا ہے، گویا فرد مشاہدہ حق کی حالت میں چلا جاتا ہے۔علم کی یہ سب سے بلند سطح ہے جو مخلصانہ عبادت، ذکر وفکر میں غیر معمولی انہماک واستغراق کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔

(۱۲) تصوف واحسان کو نور سے بہرہ یابی بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ وہ نور ہے، جس میں فرد اپنے نفس کے حالات کا مشاہدہ کرکے نفس کو تاریکیوں سے نکال کرکے، نور ہدایت کی راہ پر گامزن کرسکتا ہے۔ **اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منھا.** (کیا وہ شخص جو مردہ تھا، ہم نے اسے نور عطا کیا جس میں وہ چلتا رہتا ہے، کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا جو اندھیریوں میں بھٹکتا پھڑتا ہے۔ اس سے نکلنے نہیں پاتا)۔

(۱۳) تصوف، روحانی قوتوں وروحانی لطافتوں کی بیداری سے تعلق رکھتا ہے، (جسے ایمان ویقین کی گہرائیاں بھی کہہ سکتے ہیں) جب روحانی قوتیں بیدار ہوکر طاقتور ہوتی ہیں تو وہ نفس کی مادی قوتوں پر غالب آجاتی ہیں، جس سے فرد کے سارے احساسات میں پاکیزگی پیدا ہوجاتی ہے اور ایمان ویقین کی قوت سے صالح اعمال کے صدور کی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ روح، محبوب حقیقی کی معیت میں رہنا چاہتی ہے۔ ایمان ویقین کا سب سے اہم تقاضا بھی یہی ہے کہ توحید میں رسوخ حاصل ہو اور مادی قوتوں پر اللہ پر یقین کی قوتیں غالب ہوں، اس طرح سچی روحانیت اور ایمان ویقین کی سرحدیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں۔

(۱۴) تصوف، ایمانیات واسلام کا ایک بنیادی حصہ ہے، کل اسلام نہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ تصوف واحسان، ایمان وعقائد اور اسلامیات کو مستحکم کرنے، عقیدہ توحید کو راسخ کرنے، اسلام پر صدق دلی سے عمل پیرا ہونے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ تصوف واحسان کے اجزاء سے بہرہ وری کے بغیر مذکورہ مقاصد حاصل ہوسکیں، مشکل ہے۔ تصوف کی مزید تشریح اس طرح ہوسکتی ہے کہ اسلام کل ہے، اس کل کا جوہر اللہ سے مستحکم تعلق ہے اور طاغوت یعنی ما سوا سے بغاوت وبیزاری ہے، جو تصوف واحسان کے ذریعہ عبادت وذکر وفکر میں استغراق کے نتیجہ میں حاصل ہوسکتی ہے۔

(۱۵) اسلام جو کل ہے، اس کے تقاضے محض ذکر وفکر کے ذریعہ پورے نہیں ہو سکتے۔ اس کے لئے دعوتی کام کی بھی ضرورت ہے، اور معاشرہ میں اصلاحی تحریک کو مستحکم کرنے کی بھی۔ ساتھ ساتھ اسلام، نظام زندگی بھی ہے۔ جو پوری اجتماعی زندگی سے بحث کرتا ہے۔ سود کے خاتمہ پر زور دیتا ہے۔ عورت ومرد کے آزادانہ میل جول پر پابندی عائد کرتا ہے۔ ریاستی نظام کی عادلانہ بنیادوں پر تشکیل کا علمبردار ہے۔ رشوت، خیانت، بدعنوانی کی روک تھام کی تعلیم دیتا ہے۔ بُرائی کو ریاست کی طاقت سے روکنے اور معروف کو ریاستی اداروں کے ذریعہ فروغ دینے پر زور دیتا ہے۔ تصوف کا کام یہ ہے کہ فرد کے ایمان کو مستحکم کرکے اور اللہ کے ساتھ اس کے تعلق کو مضبوط کرکے، اس میں حمیت دین پیدا کرکے، اسے کل اسلام کے لئے متحرک اور سراپا جہد بنادے۔

(۱۶) اللہ سے والہانہ محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ فرد اللہ کی اطاعت میں پیش پیش ہو اور اس کے دین کی اشاعت اور اس کے غلبہ کی جدوجہد میں تیز تر ہو اور باطل

کے خلاف معرکہ آرائی میں متحرک ہو، جذبہ جہاد سے سرشار ہو اور اسلام کے لئے کام کرنے والی ساری تحریکوں اور سارے کاموں کو اپنا کام تصور کرتا ہو۔

جو تصوف، اسلام کے ان سارے تقاضوں اور سارے کاموں کی سرانجامی کا ذریعہ ہو۔ اور فرد وافراد میں ان کاموں کی صلاحیت پیدا کرنے کا موجب ہو، اس دور میں تصوف اگر یہ کردار ادا کرنے سے قاصر ہے تو اس کے ذمہ دار ہم ہیں، نہ کہ تصوف، اس لئے کہ ایک تو باصلاحیت ومتحرک افراد تصوف واحسان کے ذریعہ ایمانی حرارت حاصل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم جیسے بے صلاحیت افراد اپنے عمل اور اپنی ذہنی وعملی صلاحیتوں کے ذریعہ تصوف کے اس کردار کو اجاگر کرنے میں ناکام ہیں۔ یہ المیہ تصوف کا نہیں، ہمارا المیہ ہے،۔ ورنہ اہل اللہ تو موجود ہیں، جو باصلاحیت افراد کے زنگ آلود دلوں کو پاک وصاف کرکے، اسلام کے لئے انہیں مؤثر اور مجاہدانہ کردار ادا کرنے کی صلاحیتوں کا حامل بنانے کے مواقع تلاش کررہے ہیں۔

اس کام کے لئے اہل اللہ کی طلب نہ ہونے اور ان کی قدر نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ قیل وقال اور علوم وفنون میں جتنا آگے بڑھتا جارہا ہے۔ اسی حساب سے وہ عمل اور کردار کے بحران سے دوچار ہوتا جارہا ہے اور اس کی علمی وعملی صلاحیتیں زنگ آلود ہوتی جارہی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اخلاص، للھیت، اعمال صالحہ اور مجاہدانہ صلاحیتوں کی نشوونما کا سارا تعلق اہل اللہ کی صحبت سے ہے۔ اس لئے کہ وہ محبوب حقیقی کے آتش عشق سے سرشار ہیں، ان کی صحبت سے جب عشق کے یہ اجزاء حاصل ہوتے ہیں تو ذہین وباصلاحیت افراد اللہ محبوب کے دین کے لئے سراپا جہد ہوجاتے ہیں۔ اخلاص کی وجہ سے ان کی اس جدوجہد میں محبوب حقیقی کی خصوصی نصرت بھی شامل ہوجاتی ہے۔

اسلامی فکر کے حامل وہ افراد، جو تصوف کو اسلام کے خلاف سازش سمجھتے ہیں یا اسلام کے تحرک وجذبہ جہاد کو منجمد کرنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، وہ قابل رحم ہیں، اس

لئے کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ اخلاص ویقین پیدا کرنے اور اللہ کے دین کے لئے والہانہ پن اداؤں کے لئے تصوف واحسان ہی فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ اہل اللہ کی صحبت کے ذریعہ تزکیہ کے بغیر خدمت اسلام کے لئے ظاہری جدوجہد تو ہوسکتی ہے، لیکن اس جدوجہد میں رونق کردار کے فقدان، ایمان ویقین کی گہرائی کی کمی اور قول وعمل کے تضادات سے بچنا غیر معمولی طور پر دشوار ہے۔ اسلامی تحریک کی صدیوں کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ہر وہ تحریک، جس میں صحبت اہل اللہ کے اجزاء شامل نہیں تھے، وہ امت میں حقیقی تحرک پیدا کرنے کی بجائے اس کی تفریق کا موجب بن گئی، افسوس کی بات ہے کہ اس دور میں اس نکتہ کے عدم فہم کی وجہ سے اسلامی تحریک اپنے بے شمار کارکنوں کے ضیاع اور معاشرہ میں غیر مؤثر ہونے کے بحران سے دوچار ہے اور نہ صرف یہ کہ مادیت پرستی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی روک تھام میں ناکام ہے، بلکہ اپنی تحریک سے وابستہ افراد کو بھی اس سیلاب میں بہنے سے بچانے کی صلاحیت سے قاصر ہے۔

اس بات کا فہم ہونا ضروری ہے کہ سیرت وکردار میں پاکیزگی اور اللہ کے بندوں کے دین ودنیا کی بھلائی کی حقیقی فکرمندی ودردمندی کے بغیر غلبہ دین اور اقامت دین کے کام میں پیش قدمی ممکن نہیں اور سیرت وکردار میں پاکیزگی کا سارا تعلق ذکر وفکر کے ذریعہ اللہ سے تعلق مستحکم کرنے سے وابستہ ہے۔ اخباری بیانات، کاغذی منصوبوں، نظم وضبط کی بہتری، انقلابی شعور، حالات اور زمانہ کا شعور، وقت کے چیلنج کا ادراک وغیرہ یہ ساری چیزیں سیرت وکردار میں پاکیزگی کے کام کا نہ تو بدل ہوسکتی ہیں اور نہ ہی اس سے افراد اور کارکنوں کی اسلامی بنیادوں پر تعمیر وتشکیل کا کام ہوسکتا ہے۔ ان کاموں کی حیثیت دوسری اور تیسری سطح کی ہے۔ جدید اسلامی فکر کی حامل شخصیتوں کے لئے اس نکتہ کا فہم ازحد ضروری ہے۔

حصہ دوم

محمد موسیٰ بھٹو

جدید اسلامی تحریکیں

تنظیم اسلامی ۔ جماعت اسلامی اور تصوف

داعی کی محبت آمیز صدائیں

تنظیم اسلامی ہمارے ملک کی مؤثر اسلامی تحریک ہے، جس نے ہزاروں افراد کی اصلاح کا کارنامہ سرانجام دیا ہے اور ملک کے ہر اہم شہر میں اس کے کارکنان درس قرآن کے حلقوں کے ذریعہ افراد معاشرہ اور اپنے ساتھ وابستہ افراد کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

تنظیم کے ترجمان ''میثاق'' اور ''حکمت قرآن'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تنظیم اسلامی تصوف سے استفادہ کی راہ پر گامزن ہے۔

تنظیم اسلامی کے سربراہ حافظ عاکف سعید صاحب ہیں، جو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے فرزند ہیں۔ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اگرچہ اسلامی انقلاب کے علمبردار تھے، لیکن ساتھ ساتھ موصوف تصوف واہل تصوف سے نرم گوشہ رکھتے تھے اور افراد کی ذاتی اصلاح کے لئے اسے ایک حد تک ضروری سمجھتے تھے۔

تصوف کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ نرم گوشہ دراصل ان کی ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب کی صحبت کا نتیجہ تھا، جو عالم اسلام کے مایہ ناز اسلامی فلاسفر تھے اور مولانا تھانویؒ کے ممتاز خلیفہ حضرت مولانا محمد حسنؒ صاحب سے بیعت تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنی زندگی میں عملی طور پر تو تصوف کی طرف نہ آسکے، لیکن ان کے فرزند ارجمند حافظ عاکف سعید صاحب نہ صرف اہل تصوف سے خود استفادہ کررہے ہیں، بلکہ موصوف تنظیم کے رخ کو تصوف کی طرف موڑنے اور تنظیم سے وابستہ افراد کی اصلاح کے لئے تصوف سے استفادہ کے لئے راہیں ہموار کرنے کے لئے بھی کوشاں ہیں۔ہماری نظر میں انقلابی اسلامی تحریک کے سربراہ کی یہ کوشش بڑی خوش آئند ہے، اس لئے کہ اس سے تنظیم سے وابستہ افراد کی ایمانی قوت، مجاہدانہ سرگرمیوں، حمیت دین اور تعلق مع اللہ میں

اضافہ ہوگا اور تنظیم اسلامی مستقبل قریب میں معاشرہ میں اسلامی نقطہ نگاہ سے مزید فعال کردار ادا کرنے اور اپنے کارکنوں کو سیرت وکردار کے اعتبار سے مستحکم کرنے میں کامیاب ہوگی۔

(۲)

تنظیم اسلامی کے موجودہ نقوش وخطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اسلامی انقلاب کے اپنے بنیادی ہدف کے لئے تیزی سے تصوف واہل تصوف سے استفادہ کی راہ پر گامزن ہے۔

ہماری نظر میں حافظ عاکف سعید صاحب اس اعتبار سے فطرت سلیمہ کی حامل شخصیت ہیں کہ موصوف نے تزکیہ واحسان کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دے کر تزکیہ واحسان وتصوف کے صاحبان سے استفادہ کا فیصلہ کرلیا ہے۔

(۳)

مولانا مودودی کی فکر بیسویں صدی میں اسلام واسلامیت کے لئے ہلچل برپا کرنے اور انقلاب فرانس وانقلاب روس کے نتیجہ میں اسلام کے سیاسی وانقلابی کردار کو سمجھنے والے جدید طبقات کے لئے نہایت مؤثر ثابت ہوئی۔

اس فکر کا دوسرا مثبت پہلو یہ ہے کہ اس فکر نے عالمی استعمار کو پریشانی میں مبتلا کیا کہ اسلام کے نام پر مختلف ممالک میں سیاسی تحریکیں شروع ہوئیں۔

اس فکر کا تیسرا مثبت پہلو یہ ہے کہ اس نے جدید افراد کی مغربیت سے مرعوبیت کو کم کرکے، فکری طور انہیں اسلام پر مطمئن کرنے کا کردار ادا کیا۔

اس فکر کا چوتھا مثبت پہلو یہ ہے کہ اسلام کے حق میں میڈیا کے محاذ پر کام شروع ہوا اور لادین تحریکوں سے کسی حد تک مقابلہ کی صورت پیدا ہوئی۔

اس فکر کا پانچواں مثبت پہلو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے خارجی طاغوت سے مقابلہ کا شعور اجاگر ہوا اور اس کے لئے فکرمندی پیدا ہوئی اور جدوجہد شروع ہوئی۔

اس فکر کا چھٹا بہتر پہلو یہ ہے کہ تعلیمی اداروں میں لادین فکری یلغار کا مقابلہ ہوا،

اورفکری یلغار کا مقابلہ ہوا، اور ترقی پسند فکر کے مقابلہ میں اسلامی فکر کے حامل طلبہ کا پلڑہ بھاری رہا، اگرچہ اب وہ بات نہیں رہی۔

مولانا مودودی کے اسلام کے لئے علمی، فکری اور نظریاتی کام کو دیکھکر انہیں تاریخ ساز اور عہد ساز شخصیت کہا جائے گا۔ مولانا، بیسویں صدی میں جدید تعلیم یافتہ طبقات پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئے۔

(۴)

مولانا مودودی کی فکر نے بیسویں صدی کی نصف میں ہندستان بھر کے متعدد ایسے علماء وفضلا کو متاثر کیا، جو فطرت سلیمہ کے حامل تھے اور ان کی کوششوں سے جماعت اسلامی دوتین دہائیوں تک سیرت وکردار کے اعتبار سے معاشرہ پر بہتر نقوش وخطوط مرتب کرتی رہی اور اس اعتبار سے معاشرہ پر جماعت کا بہتر تاثر موجود رہا، لیکن فطرت سلیمہ کے حامل ان افراد کے وصال یا جماعت سے علیحدگی کے بعد جماعت اسلامی معاشرہ کو سیرت وکردار کے اعتبار سے متاثر کرنے والے قابل ذکر افراد فراہم نہ کرسکی اور جماعت کے کارکن لوگوں میں اپنائیت اور محبت کا تاثر پیدا کرنے میں ناکام رہے۔

اس طرح جماعت اسلامی معاشرہ اور ریاست کی تبدیلی کے سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ کوئی قابل ذکر کردار ادا نہ کرسکی، بلکہ وہ قومی سطح سے لے کر مقامی سطح تک کارکنوں کی بہتر دینی واخلاقی تربیت میں بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکی۔ اس کا سب سے اہم اور بنیادی سبب فکر کی غلطی ہے۔ فکر کی وہ غلطی یہ ہے کہ خارجی زندگی میں جدوجہد یعنی غلبہ دین اور نظام کی تبدیلی کے کام کو دین کا نصب العین قرار دیا گیا ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور ساری عبادات کو اس بڑے مقصد کی تیاری کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے ذہنوں میں عبادت، ذکر وفکر، اللہ سے محبت اور کردار سازی وغیرہ کی وہ اہمیت باقی نہیں رہتی، جو اسلام اسے دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فرائض عبدیت، آداب عبدیت، سلیقہ عبدیت، اللہ اور اس کے دین کے لئے قربانی کا مادہ، بلکہ اس کے لئے فنائیت، عبادت وذکر وفکر میں استغراق اور اللہ سے مخلصانہ محبت کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتی ہے۔ تعلق مع اللہ کے استحکام کے بغیر نہ تو

داخلی طاغوت سے مقابلہ کی صورت پیدا ہوسکتی ہے اور نہ ہی خارجی باطل سے، اس لئے کہ داخلی طاغوت اور داخلی بتوں کی موجودگی میں فرد اندر سے کمزور اور غیر مستحکم ہوتا ہے اور نفسی قوتوں کا تابع ہوتا ہے۔ اس کی زبان پر تو اللہ کا دین اور اس کے غلبہ کی بات ہوتی ہے، لیکن اس کا باطن حب جاہ حب مال اور جذبہ شہرت جیسی چیزوں سے عبارت ہوتا ہے، اس طرح کی صورتحال میں غلبہ دین کی گاڑی چل سکے، ممکن ہی نہیں۔ جب تک دل اللہ کی محبت سے سرشار نہیں ہوتا، دل، اللہ کے نور سے نہیں دیکھتا، **(فانہ ینظر بنور اللہ)** تب تک عقلِ محض سے داخلی طاغوت اور خارجی طاغوت سے مقابلہ کی بہتر اور مؤثر صورت کا پیدا ہونا اور نظام کی اسلامی بنیادوں پر تبدیلی کی صلاحیتوں کا حامل ہونا دشوار ہے۔ جماعت اسلامی کی قیادت اور اس کے دانشوروں کو اس نکتہ کے فہم کی ضرورت ہے۔

بزرگان دین نے صدیوں سے کروڑہا افراد کے تحلیل نفسی اور تہذیب نفسی سے جو نتیجہ نکالا ہے، وہ یہی ہے کہ اللہ کے ذکر کے مجاہدوں کے بغیر افراد کی داخلی زندگی میں فیصلہ کن تغیر برپا نہیں ہوتا اور خارجی زندگی میں دینی جدوجہد میں خیروبرکت کے اجزاء کم ہی شامل ہوتے ہیں۔

قرآن کی بہت ساری آیات بزرگان دین کے اس تجزیہ کی تصدیق کرتی ہیں۔ **ولاتطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه.** (اور اس شخص کی بات نہ ماننا، جس کا دل ہمارے ذکر سے غافل ہے اور وہ شخص خواہشات کا پیروکار ہے)۔

استحوذ عليهم الشيطان فانساهم ذكر الله اولئك حزب الشيطان (شیطان نے ان پر غلبہ پالیا ہے، پس اس نے ان سے اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے، یہ شیطانی گروہ ہیں۔)

(۵)

تنظیم اسلامی اگرچہ جماعت اسلامی کے مقابلہ میں چھوٹی تنظیم ہے، تاہم ملک بھر میں تنظیم سے ہزاروں کارکن وابستہ ہیں اور تنظیم اسلامی کی بنیادی فکر مولانا مودودی ہی سے ماخوذ ہے، جس کے تحت ساری عبادات کا حاصل باطل کا مقابلہ اور غلبہ دین کی جدوجہد اور خارجی طاغوت کا قلع قمع ہے، لیکن چونکہ اس فکر سے داعش جیسی سوچ ابھرتی ہے اور ریاست وریاستی اداروں سے متصادم ہونے کے میلانات فروغ پذیر ہوتے ہیں،

تنظیم کو اس کے تلخ تجربات کا بھی سامنا کرنا پڑا ۔ اس لئے تنظیم کے ذمہ داروں میں فکرمندی پیدا ہوئی اور تنظیم کے موجودہ امیر حافظ عاکف سعید صاحب کی فطرت سلیمہ نے ان کی رہنمائی کی اور موصوف نے مسلم امت کے مسلمہ ادارہ تصوف سے استفادہ کا فیصلہ کیا، اس سلسلہ میں موصوف پچھلے پانچ چھ سال سے بڑی حکمت وسلیقہ سے تنظیم میں تصوف واہل تصوف کی افادیت اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اخلاص، للھیت، بے نفسی، ایمان ویقین کی گہرائیوں پر زور دے رہے ہیں اور تنظیم کے ترجمان رسالوں ''میثاق'' ''وحکمت قرآن'' میں مسلسل تصوف کے حق میں مضامین کا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے، جس سے تنظیم کے ہر سطح کے لوگوں کو پیغام مل رہا ہے اور ان کی نئے خطوط پر ذہن سازی کا کام بھی ہورہا ہے۔ لیکن چونکہ تنظیم میں طویل عرصہ تک اقامت دین، غلبہ دین اور انقلابی جدوجہد کی نظریاتی بحثوں نے کارکنوں کی اللہ سے محبت کی حس کو کمزور کرکے عقل کو تیز تر کردیا ہے، اس لئے حافظ عاکف سعید صاحب کی تصوف واہل تصوف سے استفادہ کی حکمت عملی کو تنظیم کے پرانے کارکنوں میں پوری طرح پذیرائی مل سکے، مشکل ہے۔ تاہم امید ہے کہ حکمت سے کام کرتے رہنے سے راہیں ہموار ہوسکتی ہیں۔

(۶)

جماعت اسلامی میں فکری اعتبار سے زیادہ وسیع مطالعہ ومشاہدہ کی حامل شخصیتیں موجود ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد صاحب جیسی شخصیتیں، ہمیں حافظ عاکف سعید صاحب سے زیادہ ان سے یہ توقع تھی کہ وہ معاشرہ میں جماعت اسلامی کی سیاسی، دینی، روحانی واخلاقی طور پر کمزوری کی حالت پر غور وفکر کرکے، جماعت کو اس بحران سے نکالنے اور اسے مزید فعال ومتحرک بنانے کے لئے امت کے مسلمہ ادارہ تصوف سے استفادہ کی بات حکمت سے شروع کریں گے، چونکہ جماعت کے پاس فکر کا سرمایہ اور تنظیم کی طاقت بھی موجود ہے، روحانیت اور اللہ کی محبت سے بہرہ وری کے بعد یہ فکری سرمایہ اور تنظیمی طاقت جماعت کو وہ توانائی فراہم کرے گی کہ جماعت دینی وسیاسی اعتبار سے ملک میں موجود خلا کو بہتر طور پر پُر کرسکتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم تو محض آرزو اور دعا ہی کرسکتے ہیں۔

(۷)

اس بات سے انکار نہیں کہ مولانا مودودی کی فکر جدید طبقات میں پورے عالم اسلام میں پھیل چکی ہے، اخوان المسلموں جیسی تحریک، فکری طور پر مولانا مودودی کی فکر کو ہدف بنا چکی ہے (اگرچہ عبادت وذکر وفکر کے حوالے سے ان پر بانیٔ تحریک حسن البناء کی شخصیت کے اثرات گہرے ہیں)۔

جہاد کے نام پر متشددانہ تحریکیں بھی مولانا مودودی کی فکر سے غذا لے رہی ہیں، اس طرح کی ایک تحریک کے امیر صاحب نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ مسلمان حکمران اور ان کے سارے وفادار طبقات طاغوت ہیں اور عالمی طاغوت کے آلہ کار ہیں، اس لئے جہاد وقتال کے ذریعہ ان کا قلع قمع کرنا دین کا نصب العینی کام ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ میں نے یہ فکر مولانا مودودی کی کتابوں ہی سے لی ہے۔

(۸)

اصل میں سب سے پہلا طاغوت فرد کے اندر میں موجود نفسی قوتوں کی صورت میں موجود ہے۔ اس طاغوت کا کسی حد تک قلع قمع کئے بغیر خارجی طاغوت اور عالمی طاغوت سے مقابلہ کی کوئی صورت موجود نہیں۔ اگر مقابلہ ہوگا تو اس سے بہت ساری خرابیاں جنم لیں گی۔ امت میں نفس کی طاغوتی قوتوں کو اہل تصوف نے ہی بہتر اور مؤثر طور پر سمجھا ہے اور اس طاغوت کی خوفناکیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ نفس ملعون اپنی الوہیت کی دعویٰ سے کم پر راضی نہیں۔

اس دور میں خارجی طاغوت کی ہمہ گیری کی وجہ سے جو نکتہ نظر انداز ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ خارجی طاغوت دراصل داخلی طاغوت ہی کا پیداوار ہوتا ہے۔ داخلی طاغوت چونکہ چھپا ہوا ہوتا ہے، وہ چھپ کر حملہ آور ہوکر اپنے آستانوں پر سجدہ ریزی پر مجبور کرتا ہے، اس لئے اس چھپے ہوئے طاغوت کی طرف نظر نہیں جاتی، جب کہ خارجی طاغوت چونکہ کھل کر سامنے آتا ہے اور مقابلہ کے سارے ہتھیاروں سے سامنے آتا ہے، اس لئے فرد اس کی شدت کو پوری طرح محسوس کرتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ خارجی طاغوت، داخلی اور باطنی طاغوت ہی کی ظاہری صورت ہوتا ہے۔

نفس پرستی کی قوتیں داخلی طاغوت کی صورت میں ہر فرد میں موجود ہوتی ہیں۔ کسی میں کم، کسی زیادہ۔ خوردبینی سے کام لے کر خود احتسابی کے نتیجہ میں ہی ان قوتوں کا ادراک ہوتا ہے اور ان سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ یہ خوردبینی اہل اللہ کی صحبت ہی ہے، جس سے فرد کے دل پر جب کثرت ذکر کی شعاؤں کے اثرات پڑتے ہیں تو وہ بڑی شدت سے محسوس کرنے لگتا ہے کہ اب تک تو میں طاغوت کو باہر کی دنیا میں تلاش کررہا تھا، جب کہ حقیقی طاغوت اور سب سے بڑا طاغوت تو میرے اندر میں موجود تھا، مجاہدوں کے ذریعہ اس طاغوت سے مقابلہ سے پہلے خارجی طاغوت سے مقابلہ ایسا ہے جیسے بیمار فرد، ہتھیاروں سے مسلح فرد سے مقابلہ کرنے لگے۔

(۹)

تصوف سے استفادہ کے سلسلہ میں جماعت اسلامی سے وابستہ اصحاب علم واصحاب فکر کا ایک بڑا اشکال یہ ہے کہ قرآن وسنت کی موجودگی میں ہمیں آخر شخصیت کی ضرورت ہی کیوں ہے کہ ہم اس سے اخذ فیض کریں اور اس سے اپنا تزکیہ کرائیں، اس کام کے لئے قرآن وسنت کافی کیوں نہیں؟

اس سلسلہ میں ہم عرض کریں گے کہ اللہ کی یہ سنت ہے کہ اس کی طرف سے فیض رسانی کا سلسلہ بذریعہ کتاب نہیں، بلکہ بذریعہ شخصیت ہوتا ہے، سوا لاکھ انبیاء کرام، سوا لاکھ صحابہ کرام اور اس کے بعد مسلسل اولیاء کرام اور علمائے ربانین کے پس پردہ اصل حکمت یہی ہے کہ افراد کے سامنے وہ ماڈل پیش کرنا ہے، جسے دیکھکر اپنی زندگی کی تشکیل انہی خطوط پر کرنی ہے اور جو ماڈل زندگی کے قدم قدم پر اس کی نشاندہی کرتا ہے کہ اللہ کو مطلوب انسان یہی ہے۔ اور اللہ کو زندگی کے مطلوب نقوش وخطوط یہی ہیں، قرآن وسنت یہ مطلوب خطوط ونقوش عملی طور پر زندہ صورت میں پیش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ ان خطوط کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور اصولی ہدایات ورہنمائی فرماتے ہیں۔ جب کہ ان اصولوں اور تعلیمات کو اپنی شخصیت پر لاگو کرکے ان تعلیمات کا زندہ نمونہ بن کر دکھانا اور زندگی کا ماڈل نمونہ پیش کرنا، شخصیتیں ہی یہی کردار سرانجام دیتی ہیں۔ اس لئے قرآن نے **اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ** (ہمیں سیدھا راستہ دکھادے) کے جواب میں صراط القرآن والحدیث نہیں، بلکہ **صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ**

عَلَيهِمْ انعام یافتہ افراد کی نشاندہی فرمادی کہ سیدھا راستہ انعام یافتہ افراد ہی کا راستہ ہے۔ ان کے راستہ پر چلنے اور ان کے نقوش راہ اختیار کرنے سے ہی تمہیں سیدھا راستہ اور اللہ کا مطلوب راستہ مل جائے گا۔

کتاب کی اہمیت یقیناً فیصلہ کن ہے، لیکن جہاں تک تزکیہ کا تعلق ہے، وہ کتاب سے نہیں، بلکہ شخصیت کی صحبت سے ہوتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوا لاکھ انبیاء کرام مبعوث فرمائے، جب کہ کل کتابیں اور صحیفے ۱۰۴ نازل فرمائے، ہر ایک نبی کے ساتھ کتاب اور صحیفہ ضروری نہیں سمجھا گیا۔

قرآن میں تزکیہ کا عمل رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب فرمایا گیا ہے **يزكيهم** یعنی وہ ان کا تزکیہ کرتا ہے، یہ عمل کتاب کی طرف منسوب نہیں ہے۔ قرآن میں **يزكيهم** یعنی اللہ کے رسول ان کا تزکیہ کرتے ہیں کہ آیت چار بار آئی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیہ رسول اللہ ﷺ کے بعثت کے مقاصد میں شامل ہے، رسول اللہ ﷺ کے بعد جس طرح کتاب اور حکمت کی تعلیم صحابہ کی طرف منتقل ہوئی، اسی طرح تزکیہ کی ذمہ داری بھی صحابہ کرام کے ذمہ ہوئی، اس کے بعد تزکیہ کا کام تابعین کرام اور تبع تابعین کے سپرد ہوا۔ بعد ازاں یہ کام علمائے ربانیں کے حوالے ہوا۔

اس طرح امت میں افراد کے تزکیہ کی صورت مسلسل شخصیتوں کے ذریعہ پیدا ہوتی رہی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ہم نے اپنے دلوں بڑا خلا محسوس کیا۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ تزکیہ کا تعلق کتاب سے نہیں، بلکہ شخصیت سے ہے، جسے مزکی شخصیت بھی کیا جا سکتا ہے۔

(۱۰)

قرآن میں متعدد مقامات پر یہ بات واضح فرمائی گئی ہے کہ آخرت میں نجات کا سارا دارومدار تزکیہ سے وابستہ ہے۔ **قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ** (کامیاب ہوا وہ شخص جس نے اپنا تزکیہ کیا۔) **قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا** قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد بھی تزکیہ بتایا گیا ہے۔ **اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ**

(یعنی فرعون کی طرف جاؤ وہ سرکش ہوگیا ہے اسے کہو کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تیرا تزکیہ ہو۔)

قرآن میں ایک جگہ رسول اللہ ﷺ پر ناراضگی کا اظہار فرمایا گیا ہے کہ ایک نابینا جو تزکیہ کے خیال سے آیا تھا، آپ نے اس سے توجہ ہٹا کر مکہ کے سرداروں کی طرف کی، اس پر فرمایا گیا **عَبَسَ وَتَوَلّٰی أَن جَاءہُ الْأَعْمَیٰ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہُ یَزَّکّٰی**۔

تزکیہ دراصل نفس کو جملہ بُرائیوں، خباثتوں اور کدورتوں سے پاک وصاف کرکے اسے نفس مطمئنہ کی حالت پر لانے کا ذریعہ ہے۔ تزکیہ، اخلاص، للھیت اور بے نفسی پیدا کرنے کا موجب ہے۔ تزکیہ، محض اللہ کے لئے جینے اور مرنے کا باعث ہے۔ تزکیہ، نفس کی ملاوٹوں سے پاکیزگی اور سارے اعمال محض اللہ کے لئے کرنے کا ذریعہ ہے۔

تزکیہ کے جس کام کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے، جس سے نجات وابستہ ہے، جو تزکیہ، مزکی شخصیت کی صحبت سے ہی ہوتا ہے، اس تزکیہ سے بے نیازی خسارہ کا سودا ہے، اتنا بڑا خسارہ، جس کی تلافی کی کوئی صورت موجود نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تحریک کا اولین کام یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ وابستہ افراد کے تزکیہ کا خصوصی اہتمام کرے، تاکہ تزکیہ کے زیر اثر اللہ سے والہانہ محبت پیدا ہو سکے اور اللہ کے بندوں سے بھی محبت کا تعلق استوار ہو سکے۔ اگر کوئی اسلامی تحریک نبوی مقاصد کے حامل اس کام سے اعراض کرتی ہے تو وہ دراصل اپنے ساتھ وابستہ افراد کو نفسی قوتوں کے حوالے کرنے کا موجب بنتی ہے۔ اقامت دین کا کام، وہ چاہے اپنی ذات پر جاری وساری کرنے کا کام ہو یا معاشرہ پر یا ریاست پر اقامت دین کے نفاذ کا کام ہو، اس سارے کام کا تعلق تزکیہ سے ہے۔ تزکیہ کے بغیر افراد کی زندگیاں سراسر تضادات سے عبارت ہوں گی اور اسلامی تحریک کی ارتقا کی صورت کا پیدا ہونا دشوار سے دشوار تر ہوگا۔ وسائل، تنظیم کی قوت، میڈیا کے ساتھ تھوڑا بہت کام ضرور ہوگا، لیکن کارکنوں کے دل ایک دوسرے کی محبت وشفقت سے خالی ہوں گے، وہ تحمل، وبرداشت، رواداری اور اپنائیت جیسی صفت سے محروم ہوں گے۔ اور وہ چھوٹے سے چھوٹے مسائل تک میں رنجشوں سے دوچار ہوں گے۔ یہ رنجشیں اندر میں ایک دوسرے سے ٹوٹ پھوٹ پیدا کرتی رہیں گی۔

اس سلسلہ میں دوسری اہم بات جو سمجھنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن کا کافی زور انسانی نفس، دل، روح اور عقل (عقل سلیم) پر ہے، یہ چاروں چیزیں ایسی ہیں، جو مادیت

پرستی کی شدید زد میں ہوتی ہیں۔ نفس تو خود مکر وفریب کا شاہکار ہے۔ اور وہ **أَنَا رَبُّکُمُ الْأَعْلَی** کی دعویٰ سے کم پر راضی ہی نہیں ہوتا۔

دل، روح اور عقل کو عام طور پر نفس اس طرح یرغمال بنا لیتا ہے کہ یہ قوتیں زندگی بھر نفس کے غلام کی حیثیت سے کردار ادا کرنے پر مجبور ہوتی ہیں اور نفس پرستی پر مبنی کردار کو عادت کا حصہ بنانے کے بعد ہوتا یہ ہے کہ حب جاہ وحب مال اور جذبہ شہرت جیسے نفسی بتوں کی پرستش کا ادراک ہی سلب ہوجاتا ہے۔

علمائے ربانی چونکہ طویل مجاہدوں سے نفس، دل، روح اور عقل سلیم کے مراحل سے گذر کر، ان کو پاکیزہ بنانے میں بڑی حد تک کامیاب ہوچکے ہوتے ہیں، اس لئے خود سپردگی کی نیت سے ان کی صحبت اختیار کرنے کے نتیجہ میں ان کی دلوں سے ذکر کی شعائیں منتقل ہوکر، نفسی قوتوں کو جھنجھوڑنے اور دل میں محبوب حقیقی کی محبت کے جذبات کو بیدار کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں۔

اس طرح افراد کا نفس کو مہذب بنانے کا عمل شروع ہوجاتا ہے، جب فرد اچانک ربانی عالم کی صحبت کے ان اثرات سے فیضیاب ہونے لگتا ہے تو وہ حیرت زدہ ہی نہیں، بلکہ انگشت بدنداں ہوجاتا ہے اور وہ اس تاثر کا حامل ہوجاتا ہے کہ عالم ربانی کی صحبت ایسا نسخۂ کیمیا ہے کہ اس نے تو اسے سراپا سونا بنادیا، اس صحبت کے بغیر تو نفسی قوتوں کے زیر اثر وہ ہلاکت اور تباہی سے دوچار ہوتا۔

الغرض یہ کہ قرآن کے مخاطب انسانی نفس، دل، روح اور عقل کی نوعیت کو سمجھنا اور نفس کی ہولناکیوں سے بچنا، نفس کے ہمالیہ پہاڑ کو طے کرنے والے اہل اللہ کی صحبت کے بغیر غیر معمولی طور پر دشوار ہے۔

جماعت اسلامی کے اہل علم واہل دانش اگر اس نکتہ کو سمجھ سکیں تو اس سے ان کے لئے اپنی ذات پر اقامت دین کو جاری کرنے کی راہ ہموار ہوگی اور اپنی ذات کے بعد معاشرہ اور ریاست میں اقامت دین کے لئے بھی حالات سازگار ہوسکتے ہیں۔ دوسری صورت میں نفسی قوتوں کی گرفت کی موجودگی میں قیل وقال، منصوبہ بندی، اور تنظیم سازی کی کاوشوں اور ظاہری ہلچل سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلہ میں ساٹھ ستر سال سے ہونے والے تجربات ایسے ہیں، جن سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔

(۱۱)

اس فکر کے حاملین میں ایک مغالطہ یہ پایا جاتا ہے کہ اصلاح نفس، تزکیہ نفس، تعلق مع اللہ، اور ذکر وفکر اور عبادت میں استغراق وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جس سے فرد ذاتی طور پر تو نیک اور صالح بن جاتا ہے اور ممکن ہے کہ اللہ کے ہاں اسے کچھ مقام بھی حاصل ہو، لیکن نظام کی اسلامی بنیادوں پر تبدیلی اور اسلامی جماعت کے ارتقا کا کام ایسا ہے، جو ذاتی نوعیت کی ان ریاضتوں وعبادات سے بہت زیادہ افضل وبہتریں کام ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی بات جو ہم کہیں گے، وہ یہ ہے کہ جو افراد عبادت وذکر وفکر میں انہماک کے ذریعہ اللہ سے اپنے تعلق کو مستحکم کرنے کے لئے کوشاں نہیں ہوتے، وہ معاشرہ اور ریاست کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں وفرائض پورے کرسکیں، ممکن ہی نہیں۔ جو خالق کے حقوق ادا نہیں کر سکتے، وہ مخلوق کے حقوق کس طرح ادا کر سکتے ہیں۔ جو اپنے خالق سے وفاداری کا رشتہ قائم نہیں کر سکتے، وہ مخلوق سے وفادارانہ تعلق استوار کریں، ممکن نہیں۔

دوسری بات جو ہم عرض کریں گے، وہ یہ ہے کہ حکومتی سطح پر اقامت دین کے کام اور اس کے لئے جدوجہد کے لئے غیر معمولی اخلاقی وروحانی قوت کا ہونا ضروری ہے، جو ذکر وفکر اور عبادت میں انہماک کے نتیجہ میں پیدا ہوسکتی ہے۔ اس کی دوسری کوئی صورت موجود نہیں۔ امت میں اس طرح کا کام ہمیشہ تجدید احیائے دین کی شخصیتوں نے ہی کیا ہے، جو طاقتور روحانی وایمانی قوتوں کی مالک شخصیتیں تھیں، دوسری صورت میں یہ کام ہاتھ میں لینے کا مطلب فسادِ نفس سے دوچار ہونا ہے اور اقامت دین کے نام پر اپنے ہی ساتھیوں سے الجھتے رہنا اور ٹکراتے رہنا ہے۔

تیسری بات جو ہم عرض کریں گے کہ انبیاء کرام کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت کم انبیاء کرام ہیں، جو حکومتی سطح پر اقامت دین قائم کرنے اور اور نظام کی تبدیلی میں کامیاب ہوئے ہیں، بلکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن بہت سارے انبیائے کرام ایسے ہوں گے، جو یا تو تن تنہا ہوں گے یا ان کے ساتھ دوچار افراد ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومتی سطح پر اقامت دین کے کام کو مقصود کا درجہ ہرگز

حاصل نہیں۔ بلکہ بندوں کو اللہ کی عبادت کی دعوت دے کر اللہ کے مخلص اور وفادار بندوں کی حیثیت سے زندگی گذارنے کے سلیقہ کا حامل بنانا ہے۔

دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی مثال بالکل دوسری ہے، آپ کائنات کی تخلیق کا باعث ہیں۔ قیامت تک انسانیت پر دین اسلام کے اتمام حجت کی خاطر اللہ نے آپ سے ۲۳ سال میں وہ کام لیا ہے، جس پر دنیا حیرت زدہ ہے، اللہ نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت ہی آپ سے یہ کام لیا ہے۔ اب حکومتی سطح پر اقامت دین کے نفاد کا کام ہماری نصب العینی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ ہمارا نصب العینی کام اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو مستحکم کرنا، اسلام کے مطابق زندگی گذارنے کے لئے کوشاں ہونا، اخلاص، للھیت وبےنفسی پیدا کرنا، اللہ سے ملاقات کا استحضار ہونا اور اخلاقی طور پر پاکیزہ زندگی سے عبارت ہونا ہے، البتہ ہمارے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ اصلاح معاشرہ کے لئے جتنا بھی دعوتی کام کر سکتے ہیں، وہ کریں۔

اپنی اصلاح یا معاشرہ کی اصلاح کی قیمت پر نظام کی تبدیلی کا کام ہاتھ میں لینا، یہ دین کی روح اور اس کے مزاج کو نہ سمجھنے کے مترادف ہے اور سلف صالحین کے تسلسل کے بھی منافی ہے۔

اس سلسلہ میں چوتھی بات جو ہم کہیں گے، وہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں کوئی بھی فرد اپنی صلاحیتوں وتوانائیوں سے زیادہ کام کا ذمہ دار نہیں ہے **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا** ۔ ایک فرد اگر دو من وزن اٹھا سکتا ہے، وہ اگر سو من اٹھانے کی کوشش کرے گا اور یہ کہے گا کہ مجھے تو ہر صورت میں سو من ہی اٹھانا ہے، اس طرح کے فرد کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اسے سو من سے کم وزن اٹھانے کی بات سوجھتی ہی نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں آخری بات جو ہم کہیں گے، وہ یہ ہے کہ جس معاشرہ میں ہم رہ رہے ہیں، وہ مسلم معاشرہ ہے۔ دعوتی کام کے ذریعہ مسلم معاشرہ کی دینی حالت کو بدل کر حکومتی سطح پر اقامت دین کی صورت پیدا کرنا یہ بھی ہمارا فریضہ ہے۔ اس فریضہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ہم اللہ کی باز پرس سے بچ نہیں سکتے، لیکن اس کی صورت معاشرہ کو دعوتی کام کے ذریعہ بتدریج بدلنے سے تعلق رکھتی ہے۔ معاشرہ بدلے گا تو اس کے اثرات حکومتی ایوانوں پر محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

(۱۲)

اسلامی تحریکوں سے وابستہ افراد کو اس نکتہ کا استحضار ہونا ضروری ہے کہ اللہ کے ہاں نجات کا تعلق تزکیہ، قلب سلیم اور شرح صدر سے ہے، اور اخلاص، للھیت و بے نفسی کے ساتھ ہونے والے اعمال سے ہے۔ اور تزکیہ وللھیت کا سارا تعلق ذکر وفکر، اور مخلصانہ عبادت کے ذریعہ اللہ سے مستحکم تعلق سے ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع سے ہے۔

اگر اسلامی تحریکیں نجات سے متعلق اس فیصلہ کن کام کے سلسلہ میں کارکنوں کے لئے لائحہ عمل متعین کرنے سے قاصر ہیں تو اس سے کارکنوں کی اخلاص وللھیت پیدا کرنے اور تزکیہ کے حصول کے لئے فکرمندی واضطراب میں کمی ہرگز واقع نہ ہونی چاہئے، اس لئے کہ اللہ کے ہاں کوئی جماعت، کوئی تنظیم اور کوئی قیادت کام نہیں آئے گی، وہاں ہر شخص اپنی فکر میں غلطاں ہوگا اور کسی کے لئے یہ کہکر جان چھڑانے کی صورت پیدا نہیں ہوگی کہ میری فلاں جماعت اور فلاں قیادت سے وابستگی تھی اور انہوں نے میرے تزکیہ اور تعلق مع اللہ کے لئے کوئی لائحہ عمل تیار نہیں کیا، بلکہ قرآن کی تصریح کے مطابق وہاں ''ہر گناہگار یہ تمنا کرے گا کہ اے کاش اس عذاب کے بدلے میں میں اپنی اولاد اور اپنی بیوی دیدوں، اپنے بھائی دیدوں، اپنے خاندان کے افراد اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ سب کچھ دیدوں (محض اس لئے تاکہ عذاب میں کمی واقع ہو) لیکن کھال ادھیرنے والا عذاب بڑھتا جائے گا۔''

اس لئے جماعتوں سے وابستہ افراد کو اپنی اصلاح، اپنے تزکیہ، اللہ کے ساتھ اپنے مستحکم تعلق اور نفسی قوتوں سے مقابلہ کرکے، اخلاص و بے نفسی پیدا کرنے کا سارا کام خود ہی کرنا ہوگا۔ جماعت اگر اس میں معاون ومدد ثابت نہیں تو وہاں جماعت کا عذر کام نہ دے سکے گا۔ وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

اگر جماعتوں سے وابستہ افراد میں اس نکتہ کا استحضار پیدا ہوجائے تو اس سے خود جماعتوں پر بھی دباؤ پڑے گا کہ وہ افراد کے لئے بہتر سے بہتر اصلاح نفس کا لائحہ

عمل مرتب کریں اور اس سے خود کارکنوں کے بچاؤ کی صورت بھی پیدا ہوگی۔

(۱۳)

موجودہ دور کے چیلنجز ایسے ہیں، جنہیں سمجھکر ان سے مقابلہ کی صلاحیت پیدا کرنا اور اس کے لئے بہتر لائحہ عمل طے کرنا، یہ درد مند مسلمان کی حیثیت سے ہماری بنیادی ذمہ داری ہے۔ اس دور کا سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ عالمی کفر مسلمانوں کو مسلمان کی حیثیت سے زندگی گذارنے اور اسلام کو نظام زندگی کی حیثیت سے جاری وساری کرنے کی راہ میں شدید مزاحم ہے اور اس نے پوری دنیا کے لئے سیکولرزم، عقلیت پسندی اور مادر پدر آزادی کی جو راہ متعین کی ہے، وہ اسے جبرا پوری دنیا پر مسلط کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لئے وہ اپنی ساری توانائی خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا، دنیا کی دوسری قومیں تو اس کے سامنے سرنگوں ہوچکی ہیں، لیکن اہل اسلام اب تک اس کے لئے تیار نہیں۔

دوسرا چیلنج یہ ہے کہ پاکستان اور مسلم دنیا کے مؤثر طبقات سے وابستہ افراد کی بہت بڑی تعداد ذہنی طور پر مغرب کی غلام بن چکی ہے، وہ مغربی تہذیب، مغربی معاشرت اور مغربی طرز حیات کو اپنے لئے ترقی وکامیابی کا زینہ سمجھتی ہے۔ ہمارے حکمران، ہماری بیوکریسی، ہمارے سیاستدان، ہمارے صنعت کار اور ہمارا مڈل کلاس طبقہ مغرب کی اندھی فکری اور تہذیبی تقلید کو اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھتا ہے۔

تیسرا بڑا چیلنج جو ہمیں درپیش ہے، وہ یہ ہے کہ الیکٹرانک میڈیا کے طاقتور آلات کی ہر فرد تک رسائی کی وجہ سے ہماری نسلیں ہر وقت بُری طرح مادیت پرستی، نفس پرستی اور بے قابو جنسی جذبات کی زد میں ہے، بلکہ ان کی طوفانی لہروں کا شکار ہے۔

ہمارا چوتھا اہم مسئلہ یہ ہے کہ پاکستانی ملت مسلکی، جماعتی، گروہی اور قومیتی عصبیتوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے منقسم ہوچکی ہے۔

ہمارا پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے مذہبی طبقات میں دور جدید کے سب سے بڑے فکری وتہذیبی چیلنج کو سمجھکر اس کے مقابلہ کی حس ضعیف ہوچکی ہے۔

ان حالات میں باطل سے مقابلہ اور دفاع اسلام کا کارنامہ سرانجام دینے اور ہر محاذ پر اس کے لئے بہتر طور پر کام کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے، ان میں شعور، فکر وادراک کا ہونا، باطل قوتوں کے ہتھکنڈوں کو سمجھنا، حمیت دین کا ہونا، میڈیا کے ذرائع کو استعمال کرنے کی صلاحیت کا ہونا اور تنظیمی قوت کا ہونا وغیرہ ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ بلکہ ان سب سے زیادہ جس صلاحیت کی ضرورت ہے، وہ تعلق مع اللہ کا خصوصی اہتمام ہے۔ تعلق مع اللہ کی حیثیت جسم میں خون کی سی ہے، کمیٔ خون کے شکار افراد کی ساری سرگرمیاں مضمحل ہوجاتی ہیں۔

جدید اسلامی تحریکوں کے ہاں تعلق مع اللہ کے خصوصی اہتمام کے علاوہ باقی ساری صلاحیتیں کسی حد تک موجود ہیں، لیکن ان صلاحیتوں کے باوجود چیلنج سے بہتر مقابلہ کی صورت اس لئے پیدا نہیں ہورہی ہے کہ ذکر وفکر اور عبادت کے ذریعہ اللہ سے رشتہ کا معاملہ کمزور ہے، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسلامی تحریکوں سے وابستہ افراد ہر جگہ ایک دوسرے سے تعلقات کے معاملہ میں نہ صرف سرد مہری کا شکار ہیں، بلکہ وہ باہم ایک دوسرے سے شدید شکایات رکھتے ہیں، ان کے دل ایک دوسرے سے محبت سے خالی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جب دلوں میں اللہ کی محبت مستحکم نہ ہوگی تو ساتھیوں کے ساتھ محبت کے جذبات کیسے مستحکم ہوسکتے ہیں، اس کمی وکوتاہی کو سمجھکر، اس کا خصوصی اہتمام کرنا، وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔

اللہ کی محبت وقربت ایسی چیز ہے، جو محض توجہ دلانے سے پیدا نہیں ہوسکتی، اس کے لئے اللہ کے ذکر میں مداومت کرنے والوں اور اہل اللہ کی صحبت ضروری ہے۔ اس صحبت سے ہی **صِبْغَةَ اللّٰهِ** (اللہ کا رنگ) غالب ہوگا۔ اگر جدید اسلامی تحریکوں میں اس کمی وکوتاہی کے ازالہ کی صورت پیدا ہوجائے تو انشاء اللہ باطل سے ہر محاذ پر مقابلہ کی بہتر صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک حدیث شریف پیش کی جاتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ بندہ نفلی عبادات کے ذریعہ اللہ سے قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ اس کے پاؤں بن جاتا ہے، جس سے وہ چلتا ہے۔ اللہ اس کے ہاتھ بن جاتا ہے، جس سے کام کرتا ہے۔

(۱۴)

اقامت دین کے حوالے سے ایک اہم نکتہ جو نظر انداز ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ اقامت دین کا سب سے پہلا مرحلہ اپنی ذاتی زندگی میں دین کو جاری وساری ونافذ کرنا ہے اور انفرادی زندگی میں معاشرتی، گھریلو اور کاروباری حوالے سے جو دینی تعلیمات ہیں، ان پر عمل پیرا ہونا، اس سلسلہ میں حمیت دین کا مظاہرہ کرنا، ان تعلیمات کو اپنے پانچ فوٹ جسم پر لاگو کرنا اور نفسی قوتوں کو مفتوح کرکے، ان پر اقامت دین کو جاری وساری کرنا، اقامت دین کا سب سے پہلا مرحلہ ہے، اس کے بغیر اقامت دین کا دوسرا اور تیسرا مرحلہ شروع ہی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ جو افراد ذاتی زندگی میں اقامت دین قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے اور عبادات ومعاملات میں دین کے تقاضوں کی تکمیل نہیں کر سکتے، وہ دوسروں پر دین کو نافذ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اقامت دین کا دوسرا معاشرہ کی سطح پر دین کے نفاذ کے لئے کاوشوں کا ہونا ہے۔ جس معاشرہ میں ہم رہ رہے ہیں، اگر وہ معاشرہ بڑی حد تک بگڑا ہوا ہو اور اخلاقی وروحانی طور پر تباہی سے دوچار ہو، وہ معاشرہ اسلام کو قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہ ہو تو اس معاشرہ کی اصلاح کے لئے توانائیاں خرچ کئے بغیر حکومتی سطح پر اقامت دین کا کام ہونا ممکن ہی نہیں۔

اقامت دین کا تیسرا مرحلہ حکومتی سطح پر دین کے نفاذ کی کاوشوں کا ہونا ہے۔ یہ مرحلہ ایسا ہے، جو پہلے دو مرحلوں کے بڑے پیمانہ پر کام کے بغیر شروع نہیں ہوسکتا۔ اگر فاسد معاشرہ میں وقت سے پہلے اقامت دین کے تیسرے مرحلہ کا یہ کام شروع ہوگا تو اول تو اس کے لئے ناسازگار حالات ہونے کی وجہ سے بات قیل قال اور کاغذی منصوبوں، احتجاجوں اور کارکنوں کی مصنوعی قوت کے مظاہروں سے آگے نہیں بڑھ سکے گی اور دشوار گذار کام ہونے کی وجہ سے کارکنوں میں بددلی ومایوسی کی صورت بھی پیدا ہوگی۔ دوم یہ کہ اقامت دین کی حکومتی سطح کی یہ راہ اسلام کی فطری ترتیب اور متوازن حکمت عملی کے بھی منافی ہے۔

قرآن میں پچیسویں پاریں میں اقامت دین کے حوالے سے جو آیت آئی ہے

جس سے حکومتی سطح پر اقامت دین کے کام کو نصب العینی کام سمجھنے کی غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحاً وَالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسَى وَعِيْسَى أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ . (ہم نے دین کو تمہارے لئے طریقہ زندگی مقرر کیا ہے، اس کی نوح کو وصیت کی اور ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کو بھی کہ وہ دین کو قائم کریں)۔

لیکن اس آیت سے حکومتی سطح پر اقامت دین کے کام کی نصب العینی حیثیت بالکل ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اقامت دین کی معاشرہ کی تبدیلی اور حکومت کی اسلامی بنیادی پر تبدیلی ان دونوں سطح پر کام نہیں کر سکے، اور اس میں انہیں کامیابی نہ ہوسکی، حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی حکومتی سطح پر اقامت دین میں بنیادی پیش قدمی نہ کر سکے۔

اس آیت سے اقامت دین سے مراد اپنی ذات پر اقامت دین کو جاری کرنا اور افراد معاشرہ کو توحید، رسالت اور آخرت میں نجات کی دعوت دے کر ان پر اقامت دین کو نافذ کرنے کے لئے کوشاں ہونا ہے۔ رسالت کے منصب پر فائز مذکورہ جلیل القدر انبیاء کرام نے یہی کام بہت بہتر طور پر سرانجام دینے کی کوشش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اقامت دین کی فطری ترتیب وتدریج یہی ہے۔ اس ترتیب کو پیش نظر رکھکر فکر دینے اور کارکنوں کی ذہن سازی کرنے کی بجائے انہیں شروع میں ہی اقامت دین کے آخری سطح کے کام کو حقیقی اقامت دین کے کام کے مزاج کا حامل بنانا، اور ان خطوط پر ان کی ذہن سازی کرنا، اس سے کارکنوں کی اخلاقی وروحانی تربیت کا کام بھی بُری طرح متاثر ہوگا تو ساتھ ساتھ معاشرہ کی ہمہ جہتی اصلاح کے کام کی اہمیت بھی واضح نہ ہو سکے گی۔

پھر اقامت دین کی یہ ترتیب سلف صالحین کے فہم دین اور حکمت دین سے بھی مطابقت نہیں رکھتی۔ بزرگان دین نے ہر دور میں اپنی اصلاح اور معاشرہ کی اصلاح کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دی ہے۔

ان کی اس ترتیب کی وجہ سے حکومت کے ایوانوں میں بھی اقامت دین کی بات پہنچتی رہی ہے اور ریاستی نظام میں بھی بہتری کی صورت پیدا ہوتی رہی ہے۔

جدید اسلامی تحریکوں سے اقامت دین کی ترتیب میں تبدیلی کی جو غلطی ہوئی ہے کہ

پہلے اور دوسرے مرحلہ کے کام کی قیمت پر تیسرے مرحلہ کا کام شروع کر دیا گیا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ نہ تو اقامت دین سے وابستہ کارکنوں کی بہتر ومستحکم دینی تربیت ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے اخلاقی وروحانی حالات کا معاشرہ پر عکس پڑتا ہے اور نہ ہی ان کے کام سے معاشرہ متحرک ہوتا ہے۔

(۱۵)

موجودہ دور میں حالات، ذہنیت ومزاج میں جو تبدیلی آئی ہے، علوم، وفنون نے جو صورت اختیار کی ہے، وہ ایسی ہے جس نے معاشرہ میں اہل اللہ کی تربیت وتزکیہ کے کام کو دشوار تر بنا دیا ہے، بلکہ اس کام کے لئے حالات کو ناسازگار بنا دیا ہے، اور حقیقی اہل اللہ ایک طرح سے معاشرہ میں غیرمؤثر ہوگئے ہیں اور وہ معاشرہ میں فیصلہ کن تبدیلی کے سلسلہ میں کوئی قابل ذکر کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں، اس لئے کہ ذہن سازی اور مزاجوں کی تبدیلی کے سارے ذرائع وآلات باطل قوتوں کے حوالے ہو چکے ہیں، ان حالات میں جدید دینی وعلمی صلاحیتوں کے حامل اسلامی فکر کے باصلاحیت افراد، حالات کی تبدیلی کے سلسلہ میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں، اس لئے کہ ذہن سازی کے جدید ذرائع تک ان کی رسائی ہے اور وہ دور جدید کے چیلنج کا ادراک بھی رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے مؤثر کردار ادا کرنے کی صورت ایک ہی ہے، وہ یہ کہ وہ خودرائی سے دستبردار ہوکر، اللہ والوں سے اخلاص، للھیت، فقر وزہد، عاجزی وانکساری اور حکمت وفراست کے اجزا حاصل کرنے کے لئے تیار ہوں، جب ان کی صحبت سے ان کے اندر یہ بے بہا جوہر پیدا ہوں گے تو وہ باطل کے خلاف ان کے اپنے ہتھیاروں کو استعمال کرتے ہوئے اس کے خلاف ناقابل تسخیر دیوار بن جائیں گے۔

اہل اللہ کے پاس اخلاص، عجز، فقر وزہد کی جو دولت عظمیٰ موجود ہے، وہ اس دولت کی تقسیم کے سلسلہ میں فیاض ہیں بلکہ وہ اس بات کے حریص ہیں کہ کاش کہ جدید علوم وفنون اور ٹیکنالوجی صلاحیتوں کے حامل افراد ان سے یہ دولت اخذ کرکے، اپنی بے پناہ ذہنی وعلمی صلاحیتوں کے ذریعہ اسے معاشرہ میں تقسیم کریں۔

(۱۶)

ہمارے بیان کردہ یہ نکات ایسے ہیں، جس سے افراد اور معاشرہ کی سطح پر اقامت دین کی تحریک کو تقویت حاصل ہوگی اور اقامت دین کی جدوجہد میں تیزی آئے گی، اس لئے کہ جب وسیع اسلامی فکر اور بہتر تنظیمی صلاحیتوں کے حامل افراد کی ذات پر اقامت دین جاری وساری ہوگا، ان کی شخصیت سراپا محبت، اخلاق حسنہ سے بہرہ ور، سوزوساز سے عبارت اور انسانوں کی دنیا وآخرت بنانے کے جذبات سے سرشار اور بے پناہ دعوتی جذبہ سے عبارت ہوگی تو معاشرہ میں تبدیلی آتی جائے گی اور معاشرہ اپنی ساری خرابیوں کے باوجود ایسے افراد کا خیرمقدم کرنے کے لئے تیار ہے، جو جدید علمی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوں، اپنی ذات میں سراپا محبت ہوں اور جو مفادات سے دستبردار ہوکر، محض اللہ کے لئے جینے کے سلیقہ کے حامل ہوں۔

جب معاشرہ بدلے گا تو اس کے اثرات، ریاست کی تبدیلی کی صورت میں ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

اس سلسلہ میں ترکی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ترکی میں صوفیائے کرام نے اتاترک کے ملحدانہ اور ظالمانہ نظام کے مقابلہ میں معاشرہ کو بدلنے اور افراد معاشرہ پر اللہ کی محبت کے رنگ کو غالب کرنے کا کام ہاتھ میں لیا۔ ان کے اسی کام سے اربکان اور اردگان کی جماعتیں وجود میں آتی چلی گئی۔ آج وہاں کا معاشرہ اردگان کی پشت پر کھڑا ہے۔ جب معاشرہ میں ایمانی، اخلاقی وروحانی قوت موجود ہوتی ہے تو معاشرہ وریاست کی ہر سطح پر اس کے ظہور کی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

(۱۷)

ہماری اس گفتگو سے مقصود جماعت اسلامی پر تنقید ہرگز نہیں۔ ہم ان کے کام کے مثبت پہلوؤں کے مداح ہیں (بلکہ ہماری اپنی فکری اور صحافتی تربیت میں جماعت اسلامی کا اہم کردار ہے) لیکن مادیت پرستی کی موجودہ عالمگیر فضا میں جماعت اسلامی اگر مؤثر وقابل ذکر کردار ادا کرنے اور معاشرہ اور اپنے کارکنوں کو اس کے اثرات سے بچانے کے سلسلہ

میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے سے قاصر ہے، تو اس کا بنیادی سبب اللہ کی محبت، تعلق مع اللہ، ذکر وفکر اور عبادت کے ذریعہ دل کی آبادی وشادابی کے کام سے غفلت ہے۔ بزرگان دین نے ہمیشہ اس کام کو فیصلہ کن اہمیت دی ہے، اس کام کو بنیادی کام سمجھکر اپنی تنظیم میں اس کے خصوصی اہتمام سے جماعت اسلامی کے فکر میں حقیقی روح وجان آسکتی ہے۔ سلف صالحین کے سارے تجربات کا نچوڑ یہی ہے۔

(۱۸)

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ تنظیم اسلامی دراصل جماعت اسلامی سے نکلی ہوئی فاضل شخصیتوں کی بنائی ہوئی جماعت ہے، جس کی تشکیل میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب، مولانا عبدالغفور حسن صاحب، حکیم سلطان احمد صاحب اور ڈاکٹر اسرار احمد وغیرہ شامل تھے۔ دسمبر ۱۹۶۷ء میں رحیم یارخان میں تنظیم کی تشکیل ہوئی۔ تنظیم کی تاسیسی قرار داد جسے تنظیم کے دستور کا حصہ بھی کہا جاتا ہے، وہ ان ممتاز علمی شخصیتوں کے زندگی بھر کے غوروفکر اور اسلام کے گہرے مطالعہ اور جماعتوں کے وسیع تجربہ پر مشتمل ہے، یہ تاسیسی قرار داد چونکہ دینی جماعتوں کے لئے دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے ہم یہاں اسے بعینیہ پیش کررہے ہیں۔

''آج ہم اللہ کا نام لیکر ایک ایسی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں، جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی واجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری مدد ومعاون ہے۔

ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اسی کی اخلاقی وروحانی تکمیل اور فلاح ونجات دین کا اصل موضوع ہے اور پیش نظر اجتماعیت، اصلا اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔

لہٰذا پیش نظر اجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے کہ اس میں فرد کی دینی اور اخلاقی تربیت کا کما حقہ لحاظ رکھا جائے اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو، ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے، ان کے عقائد کی تصحیح وتطہیر ہو، عبادت اور اتباع سنت سے ان کا شغف اور ذوق وشوق بڑھتا چلا جائے، عملی

زندگی میں حلال وحرام کے بارے میں ان کی حس تیز تر اور ان کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی برتقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت واشاعت اور اس کی نصرت واقامت کے لئے ان کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے۔ ان تمام امور کے لئے ذہنی اور علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ، عملی تربیت اور تاثیر صحبت کے اہتمام کی جانب خصوصی توجہ ناگزیر ہے۔

دعوت دین کے ضمن میں ہمارے نزدیک ''الدین النصیحۃ'' کی روح اور ''الاقرب فالاقرب'' کی تدریج ضروری ہے۔ لہٰذا دعوت واصلاح کے عمل کو فرد سے اولا کنبہ اور خاندان اور پھر تدریجا ماحول کی جانب بڑھنا چاہیے۔ اس ضمن میں نئی نسل کی دینی تعلیم وتربیت کا خصوصی اہتمام ناگزیر ہے۔

عامتہ الناس کو دین کی دعوت وتبلیغ کی جو ذمہ داری امت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے، اس کے ضمن میں ہمارے نزدیک ایک اہم ترین کام یہ ہے کہ جاہلیت قدیمہ کے باطل عقائد ورسوم اور دور جدید کے گمراہ کن افکار ونظریات کا مدلل ابطال کیا جائے اور حیات انسانی کے مختلف پہلوؤں کے لئے کتاب وسنت کی ہدایت ورہنمائی کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے، تاکہ ان کی اصلی حکمت اور عقلی قدر وقیمت واضح ہو اور وہ شبہات وشکوک رفع ہوں، جو اس دور کے لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں۔''

اس تاسیسی قرارداد کی تشریح کے سلسلہ میں مولانا اصلاحی صاحب نے جو تقریر فرمائی تھی۔ وہ نہایت فکرانگیز ہے۔ اس تقریر کے کچھ جملہ ملاحظہ ہوں۔

''قرار داد میں جو وضاحت کی گئی ہے، ان میں اولین اور اہم ترین امر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اسی کی اخلاقی اور روحانی تکمیل اور فلاح ونجات، دین کا اصل موضوع ہے اور پیش نظر اجتماعیت اصلا اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے اصل نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔ اس تصریح کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ ماضی (قریب) میں مسلمانوں کو ان کی یہ ذمہ داری تو بالکل ٹھیک یاد کرائی گئی کہ جس دین کے وہ مدعی ہیں، اسے دنیا میں عملا قائم کرنے کی سعی وجہد بھی ان پر فرض ہے اور یہ کہ دین محض ذاتی عقائد اور کچھ مراسم عبودیت یعنی انسان اور رب کے مابین پرائیویٹ تعلق کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ انسان کی پوری انفرادی واجتماعی زندگی کو اپنے احاطے میں لینا چاہتا ہے، لیکن ان امور پر اس قدر زور دیا گیا کہ بندے اور

رب کے مابین تعلق کی اہمیت اور افراد کی اپنی علمی، اخلاقی اور روحانی ترقی نظر انداز ہوتی چلی گئی۔ آئندہ جو کام پیش نظر ہے، اس کے اصول ومبادی میں یہ نکتہ بہت زیادہ قابل لحاظ رہے گا، کہ ایک مسلمان کا اصل نصب العین صرف نجات آخروی اور رضائے الٰہی کا حصول ہے اور اس کے لئے اسے اصل زور اپنی سیرت کی تطہیر وتزکیے اور اپنی شخصیت کی تعمیر وتکمیل پر دینا ہوگا، جس سے تعلق مع اللہ اور محبت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافہ ہوتا رہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ اخلاص پیدا ہوتا چلا جائے۔ دین کی تائید ونصرت اور شہادت واقامت، یقیناً فرائض دینی میں سے ہیں، لیکن ان کے لئے کوئی ایسی اجتماعی جدوجہد ہرگز جائز نہیں ہے، جو افراد کو ان کے اصل نصب العین سے غافل کرکے، انہیں محض ایک دنوی انقلاب کے کارکن بناکے رکھ دے۔ چنانچہ پیش نظر اجتماعیت میں اولین زور افراد کی دینی واخلاقی تربیت پر دیا جائے گا اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے گا کہ اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو، ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے، ان کے عقائد کی تصحیح وتطہیر ہو، عبادات اور اتباع سنت سے ان کا شغف اور ذوق وشوق بڑھتا چلا جائے، عملی زندگی میں حلال وحرام کے بارے میں ان کی حس تیز تر اور ان کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی برتقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت واشاعت اور اس کی نصرت واقامت کے لئے ان کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے۔''

تنظیم اسلامی درمیاں میں اپنی اس تاسیسی قرار داد سے ہٹ کر، انقلاب اور نظام زندگی کی تبدیلی کی راہ پر گامزن ہوگئی تھی، تنظیم کے موجودہ امیر حافظ عاکف سعید صاحب دراصل تنظیم کو اس کے تاسیسی قرارداد کے تحت فرد کی اصلاح اور معاشرہ کی اصلاح کی بنیادوں کی طرف لانا چاہ رہے ہیں، جو بڑی خوش آئند بات ہے۔